قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۶۲۱۹

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطاء الرحمٰن آرائیں

طابع: سید عبدالسلیم

مطبع: آفتاب عالم پریس

۱۳، ہسپتال روڈ، لاہور

فون: ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۶ ——— دسمبر ۱۹۹۳ء ——— شمارہ ۱۲

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: -/۱۰ روپے

فہرست مضامین

کھلی چٹھی ممبرانِ اسمبلی کے نام	ادارہ	۲
لمعات	ادارہ	۸
عورت کی حکمرانی	ڈاکٹر سید عبدالودود	۱۲
مذہبی جماعتوں کی سیاسی ناکامی	بشیر احمد عابد	۱۷
صراطِ مستقیم	ایم بشیر احمد	۲۴
قائدِ اعظم کا پاکستان	ثریا عندلیب	۳۶
بیسویں صدی اور مسلمان	محمد اسلم رانا ڈنمارک	۴۲
اکیسویں صدی کے تقاضے	ملک حنیف وجدانی	۵۰
نقد و نظر	ادارہ	۵۵
حقائق و عبر	ادارہ	۵۷
حقیقت خرافات میں کھو گئی	علی محمد چدھڑ	۶۱
نبیوں کی دعائیں	حکیم مسیح الدین صدیقی	۷۰
بچوں کے لئے	علامہ غلام احمد پرویزؒ	۷۳
تحقیق (نظم)	ابواسرار رمزی	۷۵
درسِ قرآن	ادارہ	۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھلی چٹھی

ممبرانِ اسمبلی کے نام

برادرانِ عزیز! السلام علیکم۔ آپ مملکتِ پاکستان کی نیشنل اسمبلی کے ارکان منتخب ہو کر آئے ہیں۔ یوں تو آپ کے مختلف فرائض اور گوناگوں ذمہ داریاں ہوں گی لیکن وہ بنیادی مقصد جس کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا ہے' ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے مملکت کے لئے قوانین مرتب کرنے ہیں۔ اگرچہ قانون سازی کا فریضہ ہر مملکت میں خاص اہمیت رکھتا ہے' لیکن مملکتِ پاکستان میں اس کی نوعیت بالکل مختلف ہے اور اسی لحاظ سے اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ آئینِ پاکستان میں یہ شق درج ہے کہ یہاں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہوگا جو اسلام کے خلاف ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذمے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ آپ ایسے قوانین مرتب کریں جو اسلام کے خلاف نہ ہوں۔ ہم آپ کو یہ بھی یاد دلا دیں کہ مذہبی پیشوائیت کے اس دعوے کے علی الرغم کہ اسلام کے مطابق قانون سازی کی اہلیت صرف انہی کو حاصل ہے۔ عوام نے یہ فریضہ آپ کے سپرد کیا ہے۔

اس لئے آپ اندازہ فرمالیجئے کہ آپ کی ذمہ داری کس قدر اہم ہے۔ آئینِ پاکستان کی رُو سے آپ کی مدد کے لئے ایک اسلامی کونسل کا تقرر کیا گیا ہے' لیکن اس کی حیثیت محض مشاورتی ہے۔ آپ کا جی چاہے اس کونسل سے مشورہ کریں' جی چاہے نہ کریں۔ پھر جی چاہے تو اس کے مشورہ کو قبول کریں' جی چاہے اسے مسترد کر دیں۔ دوسری طرف پارلیمان سے بالا کوئی ایسی اتھارٹی (عدالتِ عالیہ وغیرہ) نہیں جس سے یہ استصواب کر لیا جائے کہ آپ نے جو قانون وضع کیا ہے وہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ جو قانون بھی منظور کر دیں گے وہ اسلامی متصور ہوگا اور مسلمانانِ پاکستان پر اس کی اطاعت' اسلامی قانون کی حیثیت سے لازم آجائے گی۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہ کتنی عظیم ذمہ داری ہے جو آپ کے سر پر عائد ہوتی ہے؟ اگر آپ کا مرتب کردہ

کوئی قانون اسلام کے خلاف ہوا تو پاکستان کے بارہ کروڑ مسلمانوں کے خلاف اسلام عمل کی ذمہ داری آپ پر ہوگی اور آپ اس کے لئے خدا کے ہاں مسئول ہوں گے۔ یعنی آپ کی غلطی، بارہ کروڑ مسلمانوں کو خلافِ اسلام راستے پر ڈال دے گی اور اس طرح ان کے گناہوں کا سارا بوجھ آپ کی گردن پر ہوگا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں:

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ـــــ (۱۶/۲۵)

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنے پورے کے پورے بوجھ بھی اٹھائے ہوں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی جنہیں یہ بغیر علم گمراہ کر رہے ہیں ـــ ذرا سوچو کہ کتنا بڑا ہے وہ بوجھ جسے یہ اٹھاتے ہیں۔

آپ کی لغزش کا نتیجہ

یہ ہے وہ ذمہ داری جسے آپ نے اپنے سر پر لیا ہے۔ ذرا سوچئے کہ اس باب میں آپ کی ذرا سی بے احتیاطی آپ کو کہاں پہنچا دے گی۔

"کہتے ہیں کہ ایک دن امام اعظمؒ بازار میں جا رہے تھے۔ بارش ہو کر کھل چکی تھی اور سڑک پر کیچڑ تھی۔ آپ کے آگے آگے ایک لڑکا اچھلتا کودتا جا رہا تھا۔ آپ نے اسے پکارا اور کہا کہ بیٹا! سنبھل کر چلو۔ گر جاؤ گے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ امامؒ صاحب کو پہچان لیا اور کہا کہ حضرت! میری فکر نہ کیجئے۔ آپ احتیاط برتئے۔ اگر میں گرا تو اس کا نقصان صرف مجھے ہی ہوگا۔ لیکن اگر آپ گرے تو پوری کی پوری امت گر پڑے گی۔"

اس لئے برادرانِ محترم! آپ کو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب تک آپ اس اسمبلی کے ممبر نہیں تھے، آپ کی غلطی کا نقصان آپ کی ذات تک محدود تھا۔ لیکن اب آپ کی بے احتیاطی پوری ملتِ پاکستانیہ کی تباہی کا موجب بن جائے گی اور اس تباہی کا سلسلہ اس زندگی کے بعد آخرت تک جائے گا۔

یہ ہے وہ فریضہ جسے آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

۲ ـــ سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو قانون آپ مرتب کر رہے ہیں وہ اسلام کے خلاف نہیں۔ وہ کون سا معیار ہے جس پر آپ ہر زیرِ بحث مسودہ قانون کو پرکھ کر دیکھیں گے کہ وہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ وہ کون سا پیمانہ ہے جس سے آپ یہ ماپ کر اپنا اطمینان کریں گے کہ جس قانون کی تائید میں آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا ہے وہ اسلام کے مطابق ہے اور جسے

وہ معیار کون سا ہے

مسترد کرنے کے لئے آپ نے (NO) کہا ہے، وہ اسلام کے خلاف ہے۔ یاد رکھیئے۔ آپ کا یہ اطمینان اس درجہ کا ہونا چاہیئے کہ جب آپ سے اس کی باز پرس ہو تو آپ کا جواب خدا کو بھی مطمئن کر سکے۔

آپ نے سوچ لیا ہے کہ آپ کے نیشنل اسمبلی کے ممبر بننے کے معنی کیا ہیں؟

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا؟

آپ نے شاید اس مسئلہ کی سنجیدگی (SERIOUSNESS) پر غور نہیں کیا ہوگا۔ آپ نے اتنا ہی سوچا ہوگا کہ ممبر بن جانے سے سوسائٹی میں عزت ہو جائے گی۔ افسروں، حاکموں کے ہاں رسائی ہو جائے گی۔ شاید کچھ مفاد بھی حاصل ہو جائیں۔ ممکن ہے کبھی وزارت، سفارت مل جائے ــــ اس سے آگے بڑھے ہوں گے، تو آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ اس سے آپ، عوام کی کچھ خدمت کر سکیں گے۔ پاکستان کی بہبود کے لئے کوئی قدم اٹھا سکیں گے۔ وقس علی ہذا۔

لیکن جو کچھ ہم نے اوپر عرض کیا ہے اس کی روشنی میں آپ محسوس کریں گے کہ یہ سب مقاصد ثانوی ہیں۔ آپ کے ممبر بننے کا بنیادی مقصد کچھ اور ہے اور یہ وہ مقصد ہے کہ جس کے حصول میں آپ نے ذرا سی کوتاہی یا بے احتیاطی برتی تو آپ کو خدا کے ہاں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

۳ــ ممکن ہے آپ کے ذہن میں اس مشکل کا یہ حل آجائے کہ ہم ہر زیرِ بحث قانون کے متعلق کسی "عالمِ دین" سے پوچھ لیا کریں گے اور اس کے مشورے کے مطابق عمل کر لیا کریں گے۔ اس طرح یہ ذمہ داری آپ کے سر سے ٹل جائے گی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ آپ کسی سے بھی مشورہ کیوں نہ لیں۔ حتّٰی کہ وہ مشورہ اسلامی مشاورتی کونسل کا بھی کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت بہرحال ایک مشورہ کی ہوگی۔ فیصلہ آپ کا ہوگا اور اسی بنا پر ذمہ داری بھی آپ ہی کی ہوگی۔

ذمہ داری آپ کی ہوگی

پھر یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ آپ ایک ہی معاملہ کے متعلق مختلف فرقوں کے علماء سے مشورہ لیں گے تو ان میں سے ہر فرقے کے عالم کا مشورہ مختلف ہوگا ــــ شیعہ کا کچھ اور، سُنّی کا کچھ اور ــــ پھر سنّیوں میں سے اہلحدیث کا کچھ اور، حنفیوں کا کچھ اور، نیز حنفیوں میں سے دیوبندیوں کا کچھ اور، بریلویوں کا کچھ اور ــــ فرمائیے! آپ کس کے مشورے کو اسلام کے مطابق تصوّر کریں گے۔ لامحالہ اسی فرقہ کے عالم کے مشورہ کو، جس فرقے سے آپ کا تعلق ہے۔ لیکن آپ کسی ایک فرقہ کے لئے قانون تو نہیں بنا رہے؟ آپ ایسا قانون بنا رہے ہیں جو تمام فرقوں کے مسلمانوں کے نزدیک اسلامی ہو اور اس کا اطلاق سب مسلمانوں پر یکساں

...خیال ہے کہ اس سے آپ کو معاملہ کی نزاکت اور اپنی ذمہ داری کی شدت اور اہمیت کا اندازہ ...گا ___ اور اگر آپ کا ایمان ہے کہ اس باب میں آپ خدا کے ہاں جواب دہ ہوں گے (اور یقیناً آپ کا ...یہ ایمان ہوگا) تو ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کے احساس سے کانپ اٹھے ہوں گے اور آپ یہ ...لوم کرنے کے لئے مضطرب و بے قرار ہوں گے کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی شکل کیا ہے؟

شاید آپ میں سے بعض حضرات یہ بھی سوچنے لگ گئے ہوں گے کہ ان حالات میں، سلامتی کی راہ یہی ہے کہ انسان اس رکنیت (ممبرشپ) سے استعفےٰ دے کر امن سے ایک گوشے میں بیٹھ جائے۔

لیکن نہ آپ کو رکنیت سے استعفےٰ دینے کی ضرورت ہے، نہ اس قدر گھبراہٹ اور پریشانی کی کوئی وجہ۔ اس مشکل کا حل موجود ہے، البتہ اس کے لئے آپ کو تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔

اس مشکل کا حل

۵۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، پاکستان میں مختلف فرقے بستے ہیں ___ شیعہ، سُنّی۔ سُنّیوں میں اہلحدیث، حنفی ___ حنفیوں میں دیوبندی، بریلوی وغیرہ۔ ان سب کی احادیث الگ الگ ہیں اور فقہ الگ الگ۔ لیکن ان سب میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ اسے ہر فرقہ کا مسلمان، خدا کی کتاب اور دین میں آخری سند اور حجت تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسا قانون جس کا اطلاق تمام فرقوں کے مسلمانوں پر یکساں طور پر ہو سکے، وہی ہو سکتا ہے جس کی بنیاد قرآن کریم پر ہو خود اللہ تعالیٰ نے بھی اسلامی اور غیر اسلامی قانون کا معیار قرآن ہی کو قرار دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۷/۳)

جو تمہاری طرف، تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا اتباع کرو۔
اس کے سوا اور سرپرستوں اور رفیقوں کی پیروی مت کرو۔

حتّٰی کہ اسی کی رُو سے کفر اور ایمان کا فیصلہ ہوتا۔ سورہ المائدہ میں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۵/۴۴)

جو قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ تو یہی لوگ کافر ہوتے ہیں۔

خود رسولؐ اللہ کو بھی خدا کا یہی حکم تھا کہ

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۶/۱۰۷)

"جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کا اتباع کرو۔"

رسولؐ اللہ خدا کے حضور شکایت کریں گے تو یہی کہ میری امت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اور کسی چیز کے چھوڑ دینے کی شکایت نہیں کریں گے۔ سورہ الفرقان میں ہے۔

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ــ (۲۵/۳۰)

اور رسولؐ کہے گا کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔

لہٰذا اگر آپ قانون سازی کے معاملہ میں قرآنِ کریم کو اپنا معیار قرار دے لیں تو آپ خدا کے حضور اپنی اس اہم اور عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

۶ــ ممکن ہے اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو (اور چونکہ عام طور پر ایسا کہا جاتا ہے اور ہم بچپن سے ایسا سنتے چلے آرہے ہیں اس لئے اس قسم کے خیال کا دل میں آجانا عین ممکن ہے) کہ قرآنِ کریم بڑی مشکل کتاب ہے اس لئے میں اسے کس طرح سمجھ سکتا ہوں۔ اس کے سمجھنے کے لئے کم سے کم "اٹھارہ علوم" کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ قرآنِ کریم اس قسم کی کتاب نہیں۔ اس کے متعلق خود خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ (۵۴/۱۷) "اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے بڑا آسان بنایا ہے"۔ وہ اپنے احکام کو آیاتِ بیّنات کہتا ہے۔ یعنی بڑے واضح اور صاف۔ اس میں کوئی پیچ وخم نہیں (وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا (۱۸/۱) اس لئے نہ تو یہ مشکل ہے اور نہ ہی اس کے احکام کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آتی ہے۔ اس لئے آپ اس سے نہ گھبرائیے کہ اگر آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ فلاں قانون قرآن کے مطابق ہے یا مخالف، تو آپ کو بڑی دقت پیش آئے گی۔ آپ کو زیادہ سے زیادہ یہ دقت پیش آسکتی ہے کہ آپ کو یہ بات بآسانی معلوم نہ ہو سکے کہ فلاں معاملہ کے متعلق قرآنِ کریم کی کون سی آیات میں حکم آیا ہے۔ اس کے لئے اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ جو معاملہ آپ کے زیرِ غور ہو ہم یہ بتادیں گے کہ اس کے متعلق قرآنِ کریم کی کون کون سی آیات میں احکامات ملیں گے۔ آپ ان آیات پر خود غور کرکے فیصلہ کرلیں کہ اس باب میں قرآنِ مجید کی تعلیم کیا ہے۔ یہی ایک طریق ہے جس سے آپ اپنی اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکیں گے۔

قرآن کا سمجھنا مشکل نہیں

ہم مدد کے لئے تیار ہیں

اس سلسلہ میں اتنا اور عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ قرآنِ کریم محض نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق ہی احکام نہیں دیتا۔ اس لئے صرف ان امور کے متعلق قوانین مرتب کردینے سے آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش

یک موجب ہیں گے۔ قرآن کریم ایک ایسا معاشرتی نظام (SOCIAL ORDER) قائم کرنا چاہتا ہے جس میں ہر فردِ مملکت کے ساتھ عدل ہو۔ عدل کے معنے اتنے ہی نہیں کہ عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے قانون کے مطابق ہوں۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ ہر فرد کو زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے اور اپنی ذات کی نشوونما کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات ــــ روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ سے محروم نہ رہنے پائے۔ ان تمام ضروریات کا پورا کرنا مملکت کے ذمے ہو۔ اگر کوئی مملکت ایسا معاشرہ قائم نہیں کرے گی، تو وہ اسلامی نہیں کہلا سکے گی۔ اور جب تک ہماری مملکت صحیح معنوں میں اسلامی نہیں بنے گی، آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔ اس قسم کا معاشرہ محض قوانین کے زور پر وجود میں نہیں آسکے گا۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہماری قوم کے افراد کے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلی واقع ہو جس سے اس معاشرہ کا قیام ان کی زندگی کا نصب العین بن جائے۔ یہی ان کی تمام آرزوؤں کا محور اور ان کی جملہ مساعی کا مرکز ہو اور اگر ضرورت پڑے تو وہ اس کی خاطر اپنی جان تک بھی دے دیں۔ یہی اسلامی آئیڈیالوجی ہے اور اسی کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ لیکن یہ نفسیاتی تبدیلی ــــ قلب و نگاہ میں ایسا انقلاب، صحیح تعلیم کے بغیر برپا نہیں ہو سکتا۔ یہ تعلیم اس وقت نہ "دنیاوی" اسکولوں اور کالجوں اور نہ "دینی" مکتبوں اور دارالعلوموں میں ملتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے پورے نظامِ تعلیم کو بدلنا ہوگا اور اس کی بنیاد قرآنِ کریم کے ابدی حقائق اور غیر متبدل اصولوں پر رکھنی ہوگی۔ یہ اہم کام سب سے پہلے آپ کی توجہ کا محتاج ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں پہلے ہی اپنی ملی زندگی کے بڑے قیمتی سال ضائع کر دیئے ہیں۔ اگر اس میں مزید تغافل برتا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری آئندہ نسلیں اس چڑیا کے بچے کی طرح ہوں گی جو بے پروبال گھونسلے سے نیچے گر پڑے اور پھر اسے ہندو کی نگاہِ فریب وطنیت، مغرب کی مادیت یا روس کی لادینیت ــــ غرضیکہ جو فولادی پنجہ چاہے اُچک کر لے جاتے۔

قرآن کا معاشرتی نظام

نفسیاتی تبدیلی

تعلیمی نظام

یہ ہیں برادرانِ عزیز! بنیادی طور پر وہ چند اہم مقاصد جن کی خاطر آپ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی اور باتیں بھی قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن ہم سردست انہی پر اکتفا کرتے ہیں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مقاصد کو بروئے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ آپ اپنے خدا سے کہہ سکیں کہ ملت نے جو امانت ہمارے سپرد کی تھی ہم نے اس کی پوری پوری حفاظت اور پاسداری کی۔ واللہ المستعان علیہ توکلت و الیہ انیب۔ والسلام

معزز ممبران اسمبلی پرچہ جاری رکھنا چاہیں تو حکم فرمادیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہمارے ہاں صبح و شام دن رات موقع بے موقع منبر و محراب سے، سیاسی بیانوں میں، دانشوروں کے محافل میں اکثر یہ فقرہ دہرایا جاتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہوتا، کوئی بھی اس پہ اعتراض نہیں کرتا، نہ کوئی اس کی وضاحت کرتا ہے نہ کوئی اس کی وضاحت مانگتا ہے۔ بس بات کی جاتی ہے اور بات آئی گئی ہو جاتی ہے۔ کوئی پوچھ بیٹھے تو بس اسی پر زور دیا جاتا ہے کہ ہاں زندگی کے ہر شعبے میں اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

درست ہے کہ اصولی بیان ہو گیا مگر اسی سے مسئلہ حل ہو جاتا تو پاکستان ہی نہیں سارے عالم اسلام میں یہ خلفشار کیوں ہوتا، اوّل تو عالم اسلام کو اتنی فرصت ہی نہیں کہ یہ سوال اٹھائے یا اس کا جواب دے، وہ جسے امتِ مسلمہ کہتے ہیں جغرافیے کی حد تک تو ہے لیکن دلوں میں کہیں اس کا وجود نہیں ـــــ نقشے میں ملکوں کے نام تو نظر آتے ہیں اخوۃ کا جذبہ کہیں نظر نہیں آتا، سرحدیں ساتھ ساتھ ہیں لیکن دلوں میں فاصلے ہیں ـــــ فلسطین کا مسئلہ روزِ اوّل سے اسی طرح چلا آرہا ہے جیسے کشمیر کا مسئلہ ہے، عربوں نے فلسطینیوں کا مسئلہ ایک حد تک عربوں کا مسئلہ سمجھ کر اس میں دلچسپی لی مگر یہ دلچسپی آزادی کے لئے لڑنے والی تنظیموں کی مالی امداد اور لٹے پٹے لوگوں کے لئے خیموں کی پناہ گاہیں مہیا کرنے تک محدود رہی اور جب کبھی ان کی حکومتوں پہ دباؤ پڑا انہوں نے انہی بے خانماں لوگوں پہ توپوں کے مُنہ کھول دئے ـــــ

حوالے دینے کی ضرورت نہیں کہ ایک دنیا واقف ہے کہ تنظیم آزادیٔ فلسطین کبھی اردن سے نکالی گئی، کبھی اس نے شام میں پناہ لی، کبھی لیبیا میں، کبھی تیونس میں، عراق کا ساتھ دینے کی پاداش میں سعودی اور کویتی امداد سے محروم ہوئی ـــــ سیاسی سہارا دینے والے خود بے سہارا ہو گئے اور آخر کار ایک نیا کیمپ ڈیوڈ منعقد کیا گیا۔

کشمیر کو کبھی عالمِ اسلام نے اخوت کا مسئلہ ہی نہیں بنایا، ان کی اپنی سیاسی مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔

تھی]۔ اب عالمِ اسلام اس قابل بھی نہیں رہا۔ اس لئے کہ تیل کی حفاظت کے لئے انہی طاقتوں کو بلا لیا گیا ہے جن کے خلاف کبھی یہ ہتھیار استعمال ہوا تھا، مغرب کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ کا حربہ بھی اب بس میں نہیں کہ سارا نظامِ اقتصاد ہی غیروں کے ہاتھ میں ہے ــــ

ہاں بھارت کے خلاف ابھی تک یہ ہتھیار کارآمد ہو سکتا ہے، شرقِ اوسط بھارت سے مال کی درآمد بند کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے مگر بھارت ان ممالک کی طرف سے اقتصادی عدم تعاون کا متحمل نہیں ہو سکتا، اگر سارا عالمِ اسلام، شرقِ اوسط، افریقی اسلامی ممالک اور ایران، بھارت کو تیل کی ترسیل بند کر دے، ان ممالک میں کام کرنے والوں کو وہاں واپس بھیجنے کا الٹی میٹم دے دے ــــ تو عالمِ اسلام کا کچھ نہیں بگڑے گا، بھارت کی اقتصادی کشتی ڈانواڈول ضرور ہو جائے گی مگر کیا ایسا ممکن ہے، ان کے ہوٹلوں کی، بازاروں کی ساری رونقیں انہی کے دم سے ہیں، انہیں شاید یہ رونقیں بابری مسجد، حضرت بل اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے زیادہ پیاری ہیں ــــ

ہمارے علما حضرات تبلیغی مشنوں پہ مغربی ممالک کے دورے کرنے کے بہت شوقین ہیں، کیوں نہ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے، وہ ان ممالک کا اس نیت سے دورہ کریں کہ ان ممالک کے اربابِ اقتدار اور ارباب دانش و بینش کو قرآنِ کریم کے ارشادات کی یقین دہانی کرائیں اور انہیں بھارت کے اقتصادی بائیکاٹ میں آمادہ کریں۔ لیکن وہ ایسا کبھی نہ کرینگے کیونکہ ان کے لئے ہوم گراؤنڈ پہ کھیلنے کے لئے بہت سے میدان کھلے ہیں ــــ

اور کچھ نہیں، تو عورت کی سربراہی کا مسئلہ ہے، عورتوں کے حقوق کا شوشہ ہے، پارلیمانی اور صدارتی نظام کا معاملہ ہے، سود کا معاملہ ہے، ہاتھ کاٹنے کا، پتھر مارنے کی سزاؤں کے رائج کرنے کا مرحلہ ہے ــــ

کیوں نہیں ملک کی سب سے بڑی عدالت سے ان معاملات پہ ایک ہی بار فیصلہ لے لیا جاتا، ایک دفعہ ایسا ہو جائے تو اخبارات کے صفحے بھی ان کے بیانات سے نجات پائیں، یہ کوڑا تو ان کے ہاتھ سے چھوٹے جس سے وہ ہر حکومت کو ادھیڑنے پہ تلے رہتے ہیں،

ایک بار فیصلہ لے لیں ــــ

مگر وہ جو خود کو سب سے بڑی فیصلہ کن اتھارٹی سمجھتے ہیں کیوں کسی کی طرف رجوع کریں گے، وہ بے دھڑک فیصلہ دیں گے اور اپنی فقہ کے مطابق فیصلہ دیں گے اور مخالف فقہ والے اس فیصلے کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ اور یہ اختلاف اور فساد جاری رہے گا۔

ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی قابلیتیں اور توانائیاں بہتر اور زیادہ تعمیری کاموں پہ صرف کریں، اور فرصت کے اوقات میں قرآن پاک پہ غور و فکر کریں، یہاں سے ان کو اپنے سوال کا جواب مل جائے گا

تھی یا۔ اب عالمِ اسلام اس قابل بھی نہیں رہا۔ اس لئے کہ تیل کی حفاظت کے لئے انہی طاقتوں کو بلا لیا گیا ہے جن کے خلاف کبھی یہ ہتھیار استعمال ہوا تھا، مغرب کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ کا حربہ بھی اب بس میں نہیں کہ سارا نظامِ اقتصاد ہی غیروں کے ہاتھ میں ہے ——

ہاں بھارت کے خلاف ابھی تک یہ ہتھیار کارآمد ہو سکتا ہے، شرقِ اوسط بھارت سے مال کی درآمد بند کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے مگر بھارت ان ممالک کی طرف سے اقتصادی عدم تعاون کا متحمل نہیں ہو سکتا، اگر سارا عالمِ اسلام، شرقِ اوسط، افریقی اسلامی ممالک اور ایران، بھارت کو تیل کی ترسیل بند کر دے، ان ممالک میں کام کرنے والوں کو وہاں واپس بھیجنے کا الٹی میٹم دے دے —— تو عالمِ اسلام کا کچھ نہیں بگڑے گا، بھارت کی اقتصادی کشتی ڈانواڈول ضرور ہو جائے گی مگر کیا ایسا ممکن ہے، ان کے ہوٹلوں کی، بازاروں کی ساری رونقیں انہی کے دم سے ہیں، انہیں شاید یہ رونقیں بابری مسجد، حضرت بل اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے زیادہ پیاری ہیں ——

ہمارے علما حضرات تبلیغی مشنوں پہ مغربی ممالک کے دورے کرنے کے بہت شوقین ہیں، کیوں نہ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے، وہ ان ممالک کا اس نیت سے دورہ کریں کہ ان ممالک کے اربابِ اقتدار اور اربابِ دانش و بینش کو قرآنِ کریم کے ارشادات کی یقین دہانی کرائیں اور انہیں بھارت کے اقتصادی بائیکاٹ میں آمادہ کریں۔ لیکن وہ ایسا کبھی نہ کرینگے کیونکہ ان کے لئے ہوم گراؤنڈ پہ کھیلنے کے لئے بہت سے میدان کھلے ہیں ——

اور کچھ نہیں، تو عورت کی سربراہی کا مسئلہ ہے، عورتوں کے حقوق کا شوشہ ہے، پارلیمانی اور صدارتی نظام کا معاملہ ہے، سود کا معاملہ ہے، ہاتھ کاٹنے کا، پتھر مارنے کی سزاؤں کے رائج کرنے کا مرحلہ ہے ——

کیوں نہیں ملک کی سب سے بڑی عدالت سے ان معاملات پہ ایک ہی بار فیصلہ لے لیا جاتا، ایک دفعہ ایسا ہو جائے تو اخبارات کے صفحے بھی ان کے بیانات سے نجات پائیں، یہ کوڑا تو ان کے ہاتھ سے چھٹے جس سے وہ ہر حکومت کو ادھیڑنے پہ تلے رہتے ہیں،

ایک بار فیصلہ لے لیں ——

مگر وہ جو خود کو سب سے بڑی فیصلہ کن اتھارٹی سمجھتے ہیں کیوں کسی کی طرف رجوع کریں گے، وہ بے دھڑک فیصلہ دیں گے اور اپنی فقہ کے مطابق فیصلہ دیں گے اور مخالف فقہ والے اس فیصلے کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ اور یہ اختلاف اور فساد جاری رہے گا۔

ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی قابلیتیں اور توانائیاں بہتر اور زیادہ تعمیری کاموں پہ صرف کریں، اور فرصت کے اوقات میں قرآن پاک پہ غور و فکر کریں، یہاں سے ان کو اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا

...شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اس کی طرف اپنے دلوں کو صاف کرکے' اپنے دماغوں سے سارے بتوں کو نکال کر
...ے دیکھیں، کعبے سے بھی سارے بُت نکالے گئے تھے' پھر وہاں وحدہٗ لاشریک کی آواز گونجی تھی'
...سارى دنیا کو روشنی دیتا ہے مگر جو جان بوجھ کر آنکھیں بند رکھیں ان کے لئے دن اور رات برابر ہیں۔
شاید آپ کے انہی رجحانات کو دیکھتے ہوئے شاعرِ مشرق یہ کہنے پہ مجبور ہوئے تھے۔

مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب
کور مادر زاد و نورِ آفتاب

ڈاکٹر سید عبدالودود

عورت کی حکمرانی

روزنامہ جنگ ۲۲ اکتوبر ۹۳ء میں ایک تحریر نظر سے گزری جس کا عنوان تھا "عورت کی سربراہی"۔ اس تحریر میں دلائل ٹھوس اور مربوط ہیں اور مختلف تاریخی واقعات جو اسلامی دنیا میں گزرے ہیں، سے ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی سربراہی معرضِ وجود میں آتی رہی اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ درست ہے لیکن بات مکمل نہیں ہوتی جب تک اسے قرآن کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے۔ "قرآنِ کریم کے اندر وہ سب کچھ آگیا ہے جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے۔" (القرآن ۳۵:۳۲) قرآنِ کریم نے جب یہ کہا کہ پیدائشی طور پر ہر انسانی بچہ واجب التکریم ہے تو اس میں لڑکا لڑکی دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا اسلامی نظام میں جنسی تفریق وجہِ ذلت ہوتی ہے نہ باعثِ عزت، یعنی نہ مرد محض مرد ہونے کی حیثیت سے عورتوں سے افضل ہے اور نہ عورتیں محض عورت ہونے کی بنا پر کمتر، عورت اور مرد دونوں کی زندگی کی ابتدا "نفسِ واحدۃ" سے ہوتی ہے (۴:۱) جس میں کچھ حصہ مرد کا اور کچھ عورت کا ہوتا ہے۔ لیکن مردوں نے فرض کر رکھا ہے کہ وہ عورتوں سے افضل ہیں۔ یہ تصور غلط ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

"ہم نے انسانوں کو مرد اور عورت کے اختلاط سے پیدا کیا۔" (۴۹:۱۳)

اس لئے نہ مرد عورتوں سے الگ کوئی نوع ہے نہ عورتیں مرد سے الگ کوئی جنس۔ حیاتیاتی طور پر مرد اور عورت کی ساخت میں جو فرق ہے اس کا تعلق ان کے طبعی وظائفِ حیات سے ہے۔ انسانیت کی سطح پر دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ عمل کا میدان بھی دونوں کے لئے یکساں ہے اور اعمال کے نتائج بھی یکساں۔

"تم میں سے کسی کام کرنے والے کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔" (القرآن ۳/۱۹۴)

مرد اور عورت کی تخصیص کے کیا معنی؟ تم ایک دوسرے کے اجزا ہو، تم خلقت اور طینت کے اعتبار سے ایک ہو، زندگی کے تمام معاملات میں یکساں طور پر شریک رہتے ہو، تم ایک نوع کے فرد ہو، پھر اعمال کے نتائج میں فرق کیسے ہو سکتا ہے؟ اب آیئے اسلامی حکومت کی طرف۔ اسلامی حکومت باہمی مشاورت سے قائم ہوتی ہے (۴۲/۳۸)۔ مشاورت قرآنِ کریم کی مستقل قدر ہے۔

[illegible]ت شدہ صرف مردوں تک ہی محدود ہو تو ملک کی آدھی آبادی حقِ مشاورت سے محروم رہ جائے گی. کیا اسلام[illegible]یت کا تصور ہے ؟ اسلامی حکومت میں عورتیں حقِ مشاورت سے محروم نہیں قرار دی جا سکتیں. قرآن کریم نے جہاں کہا [illegible] امرھم شوریٰ بینھم " (۴۲/۲۹) ان کی حکومت مشاورت پر مبنی ہوگی وہاں اس مشاورت کو مردوں تک [illegible] تک گیا. قرآنِ کریم کا ارشاد ہے ،

"جو ہمارے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھیں اور ہمارے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ان کے اعمال کے نتائج میں حکومت عطا کریں گے اور ان کے اس نظامِ زندگی کو مستحکم کر دیں گے جسے ہم نے ان کے لئے پسند کیا ہے."

(۲۴/۵۵)

اب دیکھئے کہ اس حکومت کے فرائض کیا ہوں گے ؟ کہا گیا. " اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی اور انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے (تاکہ افرادِ معاشرہ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں) یہ ایتائے زکوٰۃ کریں گے (یعنی تمام نوعِ انسانی کو نشوونما کا سامان مہیا کریں گے) امر بالمعروف یعنی ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قانونِ خداوندی (قرآن) تسلیم کرتا ہے اور نہی عن المنکر' ایسے تمام کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا." (۲۲/۴۱)

جہاں تک قیامِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا تعلق ہے' ان دونوں کو بھی ہمارے مولوی حضرات نے ایک چھوٹے سے دائرے میں سکیڑ کر رکھ دیا ہے' لیکن یہ ایک الگ بحث ہے' یہاں ہم اس بحث کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود رکھیں گے. اوپر بیان کیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلامی حکومت کا فریضہ ہے. اب آگے دیکھئے کہ اسلامی نظام کے اندر وہ کون سے عناصر ہیں جو اس فریضہ کو ادا کریں گے ؟ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

"(کافروں اور منافقوں کے گروہ کے برعکس) دوسرا گروہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ہے. یہ نصب العین کے مشترک ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں. یہ (امر بالمعروف) ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جنہیں ضابطۂ خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے اور (نہی عن المنکر) ان سے روکتے ہیں جنہیں وہ ناپسندیدہ قرار دیتا ہے، یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں ، ہر معاملہ میں (خدا اور اس کے رسولؐ) یعنی نظامِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں." (۹/۷۱)

اب یہ قرآنِ کریم کا صاف حکم سامنے آگیا' اوّل یہ کہ اسلامی حکومت کے فرائض کیا ہیں. (۱) قیامِ صلوٰۃ (۲) ایتائے زکوٰۃ (۳) امر بالمعروف اور (۴) نہی عن المنکر. اور دوئم یہ کہ ان فرائض کی انجام دہی میں مومن مرد اور مومن عورتیں دونوں شامل ہیں.

ہمارے مولوی صاحبان اس مسئلہ کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ وراثت میں عورت کا ازروئے قرآن نصف حصہ ہے. اس لئے عورت مرد سے کمتر ہے حالانکہ یہ چیز غلط فہمی پر مبنی ہے. یہ معاملہ وسائل کی تقسیم کا ہے جسے قرآن نے بہترین طریق سے حل کر دیا ہے.

مرد کو تو وہی کچھ حاصل ہوگا جو اسے اپنے والد سے ملا ہے لیکن عورت نے آگے جا کر اپنے شوہر سے بھی کچھ حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے وراثت کے مسئلہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ حل کر دیا ہے۔ یہ خالص معاشی مسئلہ ہے۔ مرد اور عورت کی تفریق کا مسئلہ نہیں، اس میں تمام رشتہ داروں کے حقوق، مرد ہوں یا عورت درجہ بدرجہ مقرر کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ یہ کہنا کہ چونکہ ایک بہن کو بھائی کی نسبت وراثت میں حصہ کم ملتا ہے، اس لئے وہ امورِ مملکت میں حصہ نہیں لے سکتی کہاں تک درست ہے؟ علاوہ ازیں ہمارے مولوی صاحبان عدالت میں عورت کی گواہی کا مسئلہ بھی سامنے لاتے ہیں۔ یعنی چونکہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اس لئے ان کے خیال میں عورت مرد سے کمتر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی عدالت میں گواہی کا مسئلہ ہے امورِ مملکت میں مشاورت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ عورتیں بالعموم طبعی طور پر شرمیلی ہوتی ہیں اس لئے عدالت کے روبرو یہ کنفیوژ ہو سکتی ہے۔ اگر ایک گواہ عورت عدالت میں کنفیوژ ہو جائے تو دوسری اس کو سہارا دے سکتی ہے لیکن مسئلہ یہ بھی اہم ہے کہ اگر ایک عورت اپنی تعلیم و تربیت اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اکثر مردوں پر اپنی فوقیت ثابت کر سکے تو اس کو مملکت کے امور میں مشاورت سے روکنا احمقانہ تصور ہوگا۔

اس مسئلہ کا ایک اور پہلو سامنے لانا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ ہمارے مولوی صاحبان عورت کی سربراہی جیسے فروعی مسائل کی طرف تو توجہ دیتے ہیں جن کی از روئے قرآن کوئی بنیاد نہیں لیکن بنیادی مسائل کو سامنے لانے سے گریز کرتے ہیں۔ گذشتہ دنوں میں اس کی مثال نمایاں طور پر سامنے آئی ہے۔ ۱۹ اکتوبر ۹۳ء کے روز قومی اسمبلی میں حلف برداری کے موقع پر غیر مسلموں نے آئین کے آرٹیکل ۶۵ کے مطابق حلف اٹھاتے ہوئے حلف کے پہلے الفاظ تو دہرا دیئے لیکن جب "میں پاکستان کی آئیڈیالوجی کو برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کروں گا جو کہ پاکستان کی بنیاد ہے" کے الفاظ سامنے آئے تو انہوں نے ان الفاظ کو دہرانے سے انکار کر دیا اور اس کے بغیر ہی حلف اٹھایا۔ معاملہ بے حد اہم تھا جس میں پاکستان کے آئین کی شدت سے مخالفت تھی لیکن قومی اسمبلی کے ممبران مولوی حضرات اس مسئلہ پر خاموش بیٹھے رہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ معاملہ غیر اہم تھا۔ اب دیکھئے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کیا ہے۔ از روئے قرآن انسانوں کی تقسیم خون، رنگ، زبان، وطن، قومیت کی بجائے آئیڈیالوجی (ایمان) کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جو لوگ وحی کی رُو سے عطا کردہ مستقل اقدار پر ایمان رکھتے ہیں اور نظامِ خداوندی کے قیام کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں، وہ ایک جماعت ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ ان اقدار سے انکار کر کے اپنے لئے کوئی اور نظام تجویز کریں وہ دوسری جماعت کے افراد ہیں۔ چونکہ وحدت اور یگانگت کے لئے نصب العین کا اشتراک بنیادی شرط ہے اس لئے ظاہر ہے کہ ان دو متضاد آئیڈیالوجی رکھنے والوں میں قلبی تعلقات کبھی قائم نہیں ہوں گے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

"اے جماعتِ مومنین! تم اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ یہ (دوسرے لوگ) تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ ان کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تم ایسی جانکاہ مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ جن سے تمہاری قوت ٹوٹ جائے۔ تمہارے خلاف بغض و عناد کی باتیں ان کی

زبان پر بے اختیار آجاتی ہیں. لیکن جو کچھ ان کے سینے میں چھپا رہتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے. ہم نے یہ باتیں اس لئے بیان کردی ہیں کہ تم عقل و ہوش سے کام لے کر ان کی طرف سے محتاط رہو." (۳/۱۱۷).

"دیکھو! ایسا کبھی نہ کرنا کہ تم ان کو دوست بنالو. اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہیں کبھی دوست نہ بنائیں گے. حالانکہ تم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں اور ان میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو ان کے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں. تم یہ کچھ خلوصِ قلب سے کرتے ہو. لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایمان لے آئے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو شدتِ عداوت سے تمہارے خلاف غصہ میں اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں. ان کو کہو کہ جاؤ مرمٹو، اللہ جانتا ہے کہ تم ظاہر میں کیا کرتے ہو اور تمہارے سینے میں کیا چھپا ہے." (۳/۱۱۸)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی نظام میں غیر مسلموں کے کوئی حقوق نہیں. قرآن نے جن بنیادی انسانی حقوق کا حکم دیا ہے وہ تمام حقوق غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں ملیں گے، ان کی جان و مال، ان کی عزت و آبرو اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگی ان سے بہترین سلوک کیا جائے گا. جن لوگوں کی قرآن پر نظر نہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے متعلق قرآن کا یہ حکم نعوذ باللہ کوتاہ نظری ہے. یہ لوگ مغربی جمہوریت کے نظریات کو قرآن پر ترجیح دیتے ہیں لیکن اتنا بھی نہیں سوچتے کہ آئیڈیالوجی کی بنا پر قائم شدہ کوئی سسٹم امورِ مملکت میں ایسے لوگوں کو شریک نہیں کرتا جو اس آئیڈیالوجی کے خلاف ہوں، بلکہ آئیڈیالوجی تو ایک طرف موجودہ مغربی جمہوریت کے نظام میں تو برسر اقتدار پارٹی حزبِ اختلاف کو مملکت کے انتظامی معاملات کے نفاذ میں بھی شریک نہیں کرتی لیکن جہاں تک اسلام کا معاملہ ہے یہ اس سے آگے جاتا ہے. جو لوگ اس کی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہیں کرتے وہ درحقیقت اس کے آئین کو بھی تسلیم نہیں کرتے. اب دیکھئے کہ دنیا میں کوئی ایسی مملکت ہے جو ان لوگوں کو شریک حکومت کرلے جو اس کے آئین کو تسلیم نہیں کرتے؟ کیا باعثِ تعجب نہیں کہ اسلامی نظام کا مقصد تو مملکت میں قرآنی قوانین نافذ کرنا ہو اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان لوگوں کو شامل کیا جائے جو اس کے اہداف و مقاصد کے ہی خلاف ہوں.

یہ ہے اس مسئلہ کی نوعیت، قومی اسمبلی میں ۱۹ اکتوبر ۹۳ء کے روز غیر مسلموں نے حلف اٹھانے سے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ پاکستان کی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہیں کرتے. چنانچہ انہوں نے آئیڈیالوجی کو تسلیم کئے بغیر ہی حلف اٹھایا. قومی اسمبلی کے مولوی حضرات نے اس پر ذرہ بھر اعتراض نہیں کیا، محترم فضل الرحمٰن صاحب نے جو وزیر اعظم کے انتخاب کے وقت تقریر کی اس کے الفاظ یہ ہیں. "وزیر اعظم کے انتخاب میں ہم نے اس لئے حصہ نہیں لیا کہ ہم نے پی پی پی اور مسلم لیگ حکومتوں کا تجربہ کیا ہے ان کی اچھائیاں اور برائیاں دیکھی ہیں ان کی برائیاں اچھائیوں پر غالب ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم خاتون کی حکمرانی کے حق میں نہیں

شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔" چنانچہ ہمارے مولوی صاحبان نے غیر مسلموں کے متعلق ایک بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ نہ دی اور عورت کی حکمرانی جیسے فروعی مسئلہ کو جس کی کوئی بنیاد قرآنِ کریم میں موجود نہیں، سامنے رکھ کر دو ٹوک سے انکار کر دیا۔ درحقیقت ہمارے مولوی حضرات اسلامی نظام کے قرآنی پہلو سے اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح دوسرے لوگ ہیں، صرف اپنی چودھراہٹ کے حصول کی خاطر مغربی جمہوری نظام کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور اس طرح اسلامی نظام اور سیکولر نظام کو آپس میں خلط ملط کر رہے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ صفر ہے، مملکت پاکستان میں موجودہ آئین کے تحت شریعت کا نفاذ ناممکن ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق پہلے ذہنوں کو صاف کیا جائے پھر قرآن کے قوانین اور مستقل اقدار کے مطابق مملکت کا آئین وضع کیا جائے تب جا کر پاکستان میں شریعت کا نفاذ ممکن ہوگا جس ملک کے آئین کے سرورق پر اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا ذکر ہو اور باقی سارا آئین سیکولر ہو اس میں شریعت کیسے نافذ ہو سکتی ہے؟

بشیر احمد عابد۔ کویت

مذہبی جماعتوں کی سیاسی ناکامی

حالیہ انتخابات میں مذہبی جماعتوں کو جس بری شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ ان سب لوگوں کے لئے باعثِ تشویش ہے، جو اسلام کو ایک نظام کی شکل میں قائم کرنے کے لئے مصروفِ جدوجہد ہیں۔ پاکستان کی تاریخ یہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس کے حصول کا مقصود و منتہیٰ یہ تھا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔ مذہبی پیشوائیت چونکہ اپنے آپ کو اسلام کا حقیقی وارث سمجھتی ہے۔ لہٰذا شروع سے اس کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی جائے لیکن نظر آتا ہے کہ پاکستانی عوام نے آج تک ان کے اس مطالبے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا! یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جب بھی الیکشن لڑا، ہمیشہ شکست کھائی ہے۔ اس کی اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس مطالبے میں ایک بنیادی نقص ہے۔ وہ یہ کہ یہ حضرات جب بھی اسلام پر اپنی بلاجواز اجارہ داری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے باقی سب لوگ یا تو جاہل ہیں یا مسلمان نہیں! عوام اس تفریق کے قائل نہیں۔ عوام کے نزدیک کوئی شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ مسلمان کہلاتا ہے اور اس کے بعد جو جتنا پڑھا لکھا ہوتا ہے اتنا ہی بہتر مسلمان ہوتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ عوام کو اس سے بھی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی کتنا اچھا یا برا مسلمان ہے۔ ان کے لئے تو وہی مسیحا ہوتا ہے جو ان کے مسائل حل کر دے۔ اس لئے یہ ووٹ اسے دیتے ہیں جسے وہ باصلاحیت اور اثر و رسوخ رکھنے والا سمجھتے ہیں۔

علماء کی اس رٹ سے کہ اسلام کو ان سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا نہیں سمجھتا۔ عوام ان سے غیر محسوس طور پر دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے یہ حضرات خود بھی ایک طرح کی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احاطہ کرنے کے قابل نہیں رہے جس کا مجموعی اثر یہ ہے کہ ان حضرات نے عوامی سطح پر جب بھی کوئی قدم اٹھایا، عبرتناک ناکامی سے دوچار ہوئے۔ حالیہ انتخابات میں ان حضرات کی ناقابلِ یقین شکست انہی نفسیاتی عوامل کی مظہر ہے۔ اس ناکامی کو کوئی بھی صاحبِ فراست انسان اسلام سے منسوب نہیں کر سکتا اور نہ ہی مسلم عوام کو موردِ الزام

ٹھہرا سکتا ہے کہ انہوں نے مذہبی جماعتوں کو ووٹ نہیں دیئے۔ ہمارے علماء کو چاہیئے کہ وہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں اور جس سٹریٹجی پر اب تک کاربند چلے آرہے ہیں اس پر نظرِ ثانی کریں۔

طلوعِ اسلام شروع سے دہراتا چلا آرہا ہے کہ اسلام کا جو تصور ہماری مذہبی پیشوائیت پیش کر رہی ہے اس کا مملکت کے نظام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اس تصورِ اسلام کے مطابق نہ تو کوئی نظامِ حکومت تشکیل پا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یہ ملک اور ملت کو درپیش سیاسی و معاشی مسائل کا حل پیش کر سکے۔

اسلام کے نام پر جو علم مولوی صاحبان پیش کرتے ہیں، درحقیقت وہ ان کے اپنے ذہن کی اختراع بلکہ افتراء ہوتی ہے۔ اس علم میں کوئی ایسی صفت نہیں ہے جو انسانی صلاحیتوں کو بیدار کر سکے، ان کی آبیاری کر سکے اور ان کو نشوونما دے سکے۔ مولوی صاحب کے پاس ہر سوال کا آخری جواب یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے۔ خواہ اس حکم کا اللہ اور رسولؐ کے ساتھ دُور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ لیکن یہ حضرات اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے ہمیشہ یہی جواب دیں گے کہ جو بات یہ کہہ رہے ہیں دراصل یہ بات ان کی اپنی بات نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسولؐ کی بات ہے۔ ایسا جواب دے کر یہ حضرات مطمئن ہو جاتے ہیں کہ صحیح جواب دے دیا اور اپنے طور خوش ہو جاتے ہیں کہ سوال کرنے والا مطمئن ہو گیا۔ انہیں اس بات کا قطعی احساس نہیں ہوتا کہ اگر سوال کرنے والا ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوا، تو وہ اسلام سے کس قدر مطمئن ہو جائے گا!! ہم کالجوں اور یونیورسٹی کے پروفیسروں کو دیکھتے ہیں، آپ جتنے سوال پوچھ لیجئے آپ کو مطمئن کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے اور بالفرض اگر نہ کر سکیں تو کم از کم SORRY ضرور کہہ دیں گے۔ لیکن مجال ہے جو مولوی صاحب ایک سوال کے بعد دوسرے کا جواب دے دیں۔ اور اگر آپ اس کی بات نہیں سمجھ سکے تو معذرت کرنے کی بجائے الٹا آپ پر خدا کی پھٹکار کا کوڑا برسانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

ایک اچھے مسلمان کی طرح مولوی کے اس رویئے پر ہم یوں تو بظاہر خاموش رہتے ہیں لیکن اندر ہی اندر اسلام سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں ایک ذاتی تجربہ بیان کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ ایک محفل میں مولوی صاحب احادیث کی اہمیت اور فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ ارشاد کیا کہ احادیث کو محدثین نے بڑی احتیاط کے ساتھ اکٹھا کیا ہے۔ انہوں نے احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لئے انتہائی کڑے معیار مقرر کر رکھے تھے اور کسی بھی ایسے شخص سے حدیث نہ لیتے جس کی سیرت و کردار پر انہیں ذرہ بھر بھی شک ہوتا! اس کے بعد، خود ہی احادیث کی کئی قسمیں گنوا دیں۔ حسن، صحیح، ضعیف، وضوع، موضوع وغیرہ وغیرہ۔ مولوی صاحب کی اس تضاد بیانی پر جب سوال کیا گیا کہ اتنی احتیاط اور کاوش کے بعد ضعیف اور موضوع احادیث کا جمع کرنا چہ معنیٰ دارد! تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ امت کو معلوم ہو سکے کہ ضعیف اور موضوع احادیث کیسی ہوتی ہیں؟ اب آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ صاحبِ سوال مولوی صاحب کے اس جواب سے کس حد تک مطمئن ہوا ہوگا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ کسی ایک حدیث پر بھی یہ انتباہ درج نہیں ہوتا کہ خبردار! یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس سے بچ کر رہیئے! ضعیف اور موضوع احادیث، دیکھا جائے تو مولوی صاحبان کا قیمتی سرمایہ ہیں. لیکن اس حقیقت کو کبھی مولوی صاحبان تسلیم نہیں کریں گے. مولوی صاحبان کی افترا پردازیاں اور رو کھے جواب، یہی ہیں جو عام لوگوں کو ان سے متنفر کر دیتے ہیں. یہ حضرات نمازیں ہمیں اپنے پیچھے کھڑا دیکھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم ان کے مقتدی ہیں. ہمیں اسلام سے بڑا لگاؤ ہے. ہم ملک میں اسلامی نظام چاہتے ہیں اور جب اس خوش فہمی کی بنا پر الیکشن لڑتے ہیں تو انہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے.

طلوعِ اسلام ان سے بار بار درخواست کرتا چلا آ رہا ہے کہ خدارا سوچیئے! ایک ایک کر کے، دو دو کر کے رک جایئے اور سوچیئے! آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جس کا بچہ بچہ اسلام کے نام پر کٹ مرنے کو تیار ہے! ایک ایسی مملکت میں کہ جس کی بنیاد ہی اینٹ ہی اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے! ایک نہیں، دو نہیں، بلکہ سب کی سب دینی جماعتوں کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑے اور بار بار کرنا پڑے. آخر کیوں؟ یہ لمحہ ہم سب کے لئے اور ان سب کے لئے جو اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنے اہل و عیال اور اپنا سب کچھ ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں، لمحہ فکریہ ہے!

میں نے یہ چند معروضات بر سبیلِ تذکرہ پیش کی ہیں، لیکن مسئلہ زیرِ نظر اتنا سادہ نہیں! مسئلہ بہت گھمبیر ہے! اور اپنے دامن میں کئی دقیق و عمیق وجوہات لئے ہوئے ہے. اسلامی معاشرہ اس وقت ارتقار کی جس منزل میں ہے، اس کا تفصیلی جائزہ لے کر معلوم کرنا چاہیئے کہ مروجہ اقدار اور اصولوں کا سرچشمہ کیا ہے؟ یہ اقدار اور اصول کس حد تک اسلامی اور غیر اسلامی ہیں؟ اور اس کا تعین کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اسلامی اور غیر اسلامی کو پرکھنے کا واحد معیار خدا کی کتاب یعنی قرآنِ کریم ہے. ہمارا ایمان ہے کہ جو اقدار اور اصول قرآنِ کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں صرف وہی انسانیت کی فوز و فلاح کے ضامن ہیں. اللہ تعالیٰ نے اس عظیم سچائی کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

اس میں شک نہیں کہ قرآن کاروانِ انسانیت کو، سفرِ زندگی میں وہ راہ دکھاتا ہے جس سے زیادہ توازن بدوش اور سیدھی راہ اور کوئی نہیں.

وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ

اور ان لوگوں کو جو اس کی صداقتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے متعین کردہ پروگرام پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں، خوشخبری دیتا ہے کہ انہیں ان کے حسنِ عمل کا بہت عظیم اجر ملے گا (۱۷/۹).

میں جب مولوی کے اسلام کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے کسی کا استہزار مقصود نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کی نشاندہی کرنا ہے کہ جس مذہب کو یہ اسلام کہہ کر عوام میں متعارف کراتے ہیں، اس سے قرآن کا بہت کم تعلق ہے. مثال کے طور پر اس آیت کو لیجئے.

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۙ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (۲/۲۱۹)

اے رسولؐ! تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ ہم خدا کے نظام کے لئے کتنا دیا کریں؟ ان سے کہو کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو، سب کا سب دے دیا کرو۔

یہ خالص قرآن ہے! لیکن مروّجہ اسلام میں اس پر عمل کرنا قطعی ناممکن ہے۔ وہ اس لئے کہ صرف اس ایک آیت کی صداقت کو من وعن تسلیم کر لینے سے زکوٰۃ کا پورا نظام جسے ہماری مذہبی پیشوائیت نے بڑی جانفشانی سے وضع کیا ہے وہ سب کا سب باطل قرار پاتا ہے۔ اسی طرح زائد از ضرورت (SURPLUS MONEY) دولت کو انفرادی ملکیت میں رکھنے سے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا جو نظام تشکیل پا چکا ہے اس کے اندر اس آیت کریمہ کا خالص اطلاق کیسے ممکن ہو سکتا ہے! اس طرح تو اس نظام کی پوری عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں کہیں پر بھی خدا کے قوانین پر مبنی نظام نہیں ہے۔ ہر طرف انسانی ذہن کے تراشیدہ اصول و قوانین نافذ ہیں۔ اور بقول قرآن جب انسان اپنے لئے خود نظام وضع کرتے ہیں، تو بحر و بر میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ آج دنیا میں جس طرف نگاہ دوڑائیں، فساد ہی فساد دکھائی دیتا ہے۔ پورا کرۂ ارض جہنّم بن چکا ہے۔ اس جہنّم سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مگر ایک، اور وہ قرآن کریم ہے۔ جب تک انسانیت قرآن کریم کی طرف لوٹ کر نہیں آتی اسے اس کی موعودہ جنّت کبھی حاصل نہیں ہوتی! مسلمان ہوں یا دنیا کی کوئی بھی قوم، کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ قرآنی اصول و اقدار کے علی الرغم ایسا معاشرہ تشکیل دے سکیں جو ان کی امن و سلامتی کا ضامن ہو۔ یہ خاصہ صرف قرآنِ خالص کا ہے۔ اس کے متعلق کہا،

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف

ان سے کہو کہ میرا نشوونما دینے والا اعتدال کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

تم اپنی تمام توجہات کو قوانینِ خداوندی پر مرکوز رکھو۔ ان کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دو۔

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ

اور اطاعت کو اسی کے لئے خاص کر دو۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کرو۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ

اس طرح تم پھر اسی جنّتی زندگی کو حاصل کر لو گے جس سے انسانیت کا آغاز ہوا تھا۔ (الاعراف: ۲۹)

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے کی ترقی، خوشحالی اور ارتقاء چند واضح اور اٹل اصول و اقدار کی رہینِ منت ہوتی ہے۔ پائیدار اور محکم اصول، متوازن اور اعلیٰ اقدار، معاشرتی توازن اور حسن کی ضامن ہوتی ہیں۔

...آن کریم کیا ہے؟ اپنی خوبصورت اقدار اور اصولوں کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خوشحالی، ثبات ...شود ارتقار کے لئے جو بھی ضروری اور مناسب سمجھا وہ سب کا سب قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ کر دیا اور اس کے ...اعلان کر دیا۔

اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ

"یہ قرآن ایک کھلی ہوئی نصیحت اور تاریخی حقیقت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے اپنے سامنے رکھ کر اس کے مطابق زندگی بسر کرے اور شرف و عظمت کی بلندیوں کو چھو لے۔"

(المدثر: ۵۵ - ۵۶)

آیئے! خدا کی مشیت کے مطابق ہم سب اس کی کتاب سے متمسک ہو جائیں اور اس کی راہ میں کسی چیز کو رکاوٹ ...بننے دیں۔ قرآن کے علاوہ جو کچھ ہے اس کی نوعیت عارضی اور سطحی ہے۔ اساسی اور دائمی نہیں! جس طرح خدا کو کسی سہارے یا مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کو بھی کسی سہارے یا مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انسان صرف قرآن کی رہنمائی میں ہی زندگی بسر کرے تو اس کی زندگی بہت آسان اور خوشگوار ہو جائے گی۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جو احادیث رسومات وغیرہ سے متعلق ہیں، ان کا اسلام کی حقیقی روح پر کوئی قابلِ ذکر اثر نہیں پڑتا ہے۔ غسل سے متعلق متعدد احادیث ہیں لیکن بات صرف ڈبکی لگانے کی ہے! جیسے ہی آپ نہا کر نکلے ان سب احادیث پر عمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز سے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ لیکن آپ نماز اسی طور پر پڑھتے ہیں جیسے اپنے والدین کو پڑھتے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ اہلِ تشیع اپنے طور طریقے پر اور اہلِ سنت اپنے طریقے پر! ایسے میں احادیث کیسے اثر انداز ہوئیں؟

اسی طرح قرآنِ کریم نے ایمان کے پانچ جزو گنوائے ہیں۔ اللہ، آخرت، ملائکہ، رسول اور کتب سماوی۔ ان کو اتنی اہمیت نہیں حاصل جتنی کہ ایمان کے چھٹے جزو "تقدیر" کو حاصل ہے اور اس چھٹے جزو کا واحد سرچشمہ احادیث ہیں۔ قرآن میں جس تقدیر کا ذکر ہے وہ کائنات کے اٹل اصول ہیں اور ان کی خوبی یہ ہے کہ جب تک ان اصولوں کا علم نہ حاصل کیا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے تو ان سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن تقدیر کا جو تصور احادیث نے دیا ہے اس میں اگر انسان عمل کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے مطابق انسان کا کوئی عمل اس کے بس میں نہیں ہے۔ تقدیر کے اس تصور نے پوری امت کو ڈبو کر رکھ دیا ہے لیکن اس کے باوجود کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ ان کی طرف انگلی اٹھائے۔ اس کا سیدھا اور آسان حل یہ ہے کہ بجائے کسی اور بحث میں پڑنے کے امت کو خالص قرآن کی دعوت دی جائے۔

جب ہم خالص قرآن کی بات کرتے ہیں تو یہ ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ کہیں ہم نبیِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس کی نفی تو نہیں کر رہے ہیں؟ (معاذ اللہ)۔ ایسا کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ قطعی غلط مفروضہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپؐ کی ذاتِ مطہرہ کی تصویر کشی کہیں زیادہ خوبصورت انداز میں کی ہے۔ آپ کی سیرت و کردار کے جو پہلو وہاں محفوظ ہیں، وہ

احادیث کے مقابلے میں بہت زیادہ وجد آفریں ہیں. ذرا آپ پڑھ کر تو دیکھئے! محمد الرسول اللہ و الذین معہ کا جو تصور قرآن پیش کرتا ہے وہ کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔

حالیہ انتخابات میں مذہبی جماعتوں کی شکست دراصل اسلام کے اس تصور کی شکست ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں. سمجھنے کے لئے اسلام کے اس تصور کو مذہب کہا جائے تو اس کے مقابلے میں اسلام کا دوسرا تصور 'دین' کہلائیگا عوام نے مذہب اسلام کو مسترد کیا ہے دین اسلام کو نہیں! اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں. جہاں تک دینِ اسلام کا تعلق ہے تو لوگ اس اصطلاح سے تو شاید واقف ہوں لیکن اس کی فلاسفی اور اس کے اصولوں سے اکثریت نابلد ہے. اسلام کی نسبت سے وہ جو کچھ سنتے ہیں' وہ سب مذہب ہے. لوگ اس پر عمل اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ان کو ورثے میں ملتا ہے یا پھر اس لئے کہ اسے معاشرے میں تقدس حاصل ہوتا ہے. کچھ لوگ اسے اس لئے بھی اپنائے رکھتے ہیں کہ اس سے ان کے روزمرہ کے معمولات پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

مذہب پرست مندر کا ہو یا مسجد کا! کلیسا کا ہو یا کنیسہ کا! دنیاوی زندگی میں اگر اس کا مسلک جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی اور اذیت پسندی ہے تو اس کے ان اعمال پر مذہب اثر انداز نہیں ہوتا ہے. مذہب پرست کی زندگی واضح طور پر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے. دین داری اور دنیا داری اور ان دونوں میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے. اس کے برعکس' دین انسان کی زندگی میں وحدت پیدا کرتا ہے. اس میں انسان کو وہی کچھ کہنا پڑتا ہے جو کچھ کہ اس کے دل میں ہوتا ہے. اس میں نہ مسلک و مشرب ہوتے ہیں اور نہ فرقے اور گروہ! اس میں تمام انسان یکساں طور پر واجب التکریم ہوتے ہیں اور ہر انسان کو دوسرے انسان کا بہی خواہ بننا پڑتا ہے. ورنہ وہ دین دار نہیں کہلا سکتا. اس کا ایک بنیادی اصول ہے کہ اس کے اندر جب بھی اور جہاں بھی کسی نے کوئی تفریق پیدا کی یا مفادِ خویش کو مفادِ عام پر ترجیح دی وہ اسی وقت اور وہیں پر دین سے خارج قرار پایا! خدا کی عدالت میں وہ کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا. دین کے یہی درخشندہ اصول ہیں جو معاشرے میں برائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتے ہیں. دینی معاشرے میں ظالمین کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی. اور وہ ہمیشہ خاسر و نامراد رہتے ہیں. اسی لئے طلوعِ اسلام مسلسل پکارتا چلا آرہا ہے کہ عوام کو دینِ اسلام کا شعور دیں. ایک الیکشن پر کیا موقوف' زندگی کے کسی مرحلے پر ناکامی نہیں ہوگی. لیکن یاد رکھئے! دین صرف قرآن ہے۔

POSTAGE INCREASE IN PAKISTAN IN 1993 ALONE !

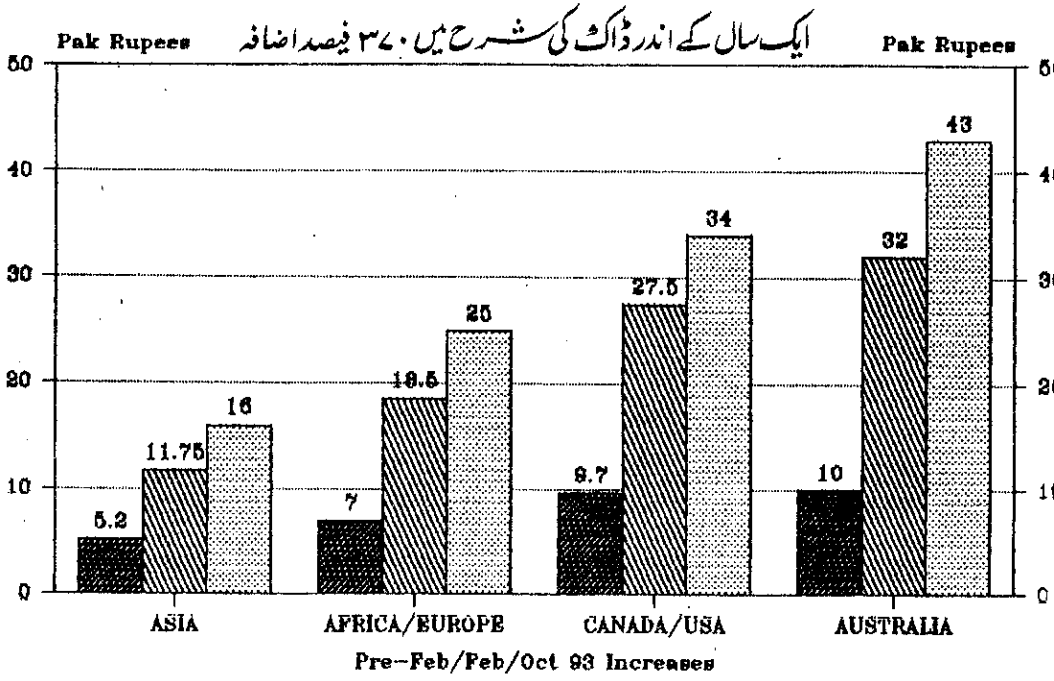

قارئینِ محترم السلام علیکم

چارٹ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ڈاک کی شرح میں ناقابلِ برداشت اضافے کے باوجود، ہم پرچے کی قیمت نہ بڑھانے کا فیصلہ کیے ہوئے تھے کہ محکمہ ڈاک نے اکتوبر ۹۳ء سے ڈاک کی شرح مزید بڑھا کر ڈاک خرچ میں ۳۷۰ فیصد کا اضافہ کر دیا، جس سے دیارِ غیر کے لئے زرِ شرکت کی پرانی شرح کو برقرار رکھنا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ ان حالات کے باوجود افریقہ، ایشیا اور یورپ کے لئے زرِ شرکت کی پرانی شرح ۱۸ امریکی ڈالر یا اس کے مساوی پاکستانی کرنسی جو آجکل (۳۰ × ۱۸) = ۵۴۰ روپے ہے، برقرار رہے گی۔ امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کے لئے اس میں صرف ۲ ڈالر کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ ان ممالک میں زرِ تعاون ۲۰ ڈالر یا اس کے مساوی ۶۰۰ روپے سالانہ ہوگا۔ ہمیں امید ہے ہمارے قارئین ہماری اس مجبوری کے پیشِ نظر، قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ہم سے تعاون بدستور جاری رکھیں گے۔

(ناظمِ ادارہ)

ایم بشیر احمد

صراطِ مستقیم

قرآنِ کریم تمام بنی نوع انسان کے لئے تا قیامت کتابِ ہدایت ہے۔ اس کتاب سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے اس کو سمجھنا لازم ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کی مناسب تحصیل بھی ضروری ہے اور اس میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی۔ قرآنِ کریم کے الفاظ کا وہی مفہوم لینا چاہیئے جو قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب، عرب لوگ لیا کرتے تھے۔ قرآنِ کریم کے اندر ایسے الفاظ کوئی خاص زیادہ نہیں ہیں جن کے لئے عربی لغت دیکھنا پڑے۔ اکثر الفاظ کی لغت قرآنِ کریم نے خود سمجھا دی ہے۔ وہ یوں کہ قرآنِ کریم نے اکثر الفاظ کا بار بار اعادہ فرمایا ہے۔ کسی خاص لفظ کی لغت سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس لفظ کا قرآنِ کریم کے ان تمام مقامات کا سیاق و سباق سمیت مطالعہ کیا جائے جہاں جہاں یہ لفظ وارد ہوا ہے۔ اس طرح اس لفظ کے وہ تمام معانی سمجھ آجائیں گے جو قرآنِ کریم پیش کرنا چاہتا ہے۔

قرآنِ کریم کی اصطلاحات

قرآنِ کریم میں استعمال شدہ اصطلاحات بڑی اہم ہیں۔ ان کے مناسب معانی اور صحیح مفہوم کا جاننا بہت ضروری ہے اور یہ اصطلاحات کافی زیادہ ہیں۔ ان اصطلاحات کو سمجھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کا مقصد و مدّعا پالیا۔ اس کے بعد اب صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ ہم ان اصطلاحات کو روبہ عمل لائیں اور اپنے شب و روز قرآن کی منشار کے مطابق ڈھال لیں۔

ان اصطلاحات میں سے ایک بنیادی اصطلاح ہے "صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم"۔

ہم قرآنِ کریم میں سے صراطِ مستقیم کی تصریح و تشریح پیش کرتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۝ (۱۱/۸۸)۔ سورۃ الفاتحہ قرآنِ کریم کا افتتاحیہ ہے۔ اس میں قرآنِ کریم کا خلاصہ نہایت مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرما دیا گیا۔

الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین پر ایمان لانے کی جو تربیت دی گئی ہے اس کا اوّلین داعیہ یہ ہے کہ :-

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۷ - ۱/۱)

اللہ کے حضور اس کے مومن و مسلم بندے دعا کرتے ہیں کہ اے ربّ العالمین

ہم کو صراطِ مستقیم کی طرف (مستقلاً) ہدایت فرما دے۔ یعنی ان برگزیدہ بندوں کی راہ کی طرف جن پر تیرے انعامات کی بارش ہوتی رہی ہے۔ جو کبھی غضب کی لپیٹ میں نہیں آئے اور نہ ہی (وہ اس صراطِ مستقیم کے معاملے میں کبھی) ضلال (گمراہی اور کج روی) کا شکار ہوئے ہیں۔

(۲) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ اللہ کی طرف سے صراطِ مستقیم کی ہدایت صرف ان لوگوں کو ملا کرتی ہے جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ کی طرف سے انعام یافتہ، خوش بخت بندوں کی معیت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ انعام یافتہ گروہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کا ہوتا ہے۔ (صدیق، شہید اور صالح ہونا بھی دراصل نبیوں ہی کی صفاتِ عالیہ ہیں)۔ یہ انعام دراصل اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور اللہ علم کے لحاظ سے بہت کافی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون واقعی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے کبھی بھی غلط بخشی کا امکان نہیں ہے۔ (۷۰ - ۶/۶۸)۔

(۳) سفیہ اور بے وقوف لوگ تولیتِ قبلہ کے بارے میں مسلمانوں پر خواہ مخواہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے جواب میں دو ٹوک بات فرما دی کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، وہی خوب جانتا ہے کہ کس سمت کو سمتِ قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے لئے قبلہ کی جو سمت مقرر فرما دی ہے وہی صراطِ مستقیم ہے اور اللہ ہی اپنے قانونِ مشیت کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اپنے قانونِ مشیت کے عین مطابق ہی احکام و ہدایات دیتا ہے اور یہی درحقیقت صراطِ مستقیم ہے (۲/۱۴۲)

(۴) ابتداء میں سارے انسان امتِ واحدہ تھے، ان میں کوئی اختلاف اور تیری میری کا جھگڑا نہ تھا۔ مگر بعد میں ہوائے نفس اور شیطان کی انگیخت سے ان کے اندر اختلاف و افتراق نمودار ہو گیا..... اللہ نے اس کی اصلاح کے لئے انبیاء، مبشرین و منذرین کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ ان کو کتابِ حق دے کر بھیجا۔ یہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کرتے تھے۔ مگر لوگوں نے محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان بیّنات کے آجانے کے باوجود اپنے اختلافات جاری رکھے۔ البتہ اللہ نے ان لوگوں کو جو انبیاء کرامؑ اور ان کی تعلیمات پر ایمان لے آئے،

کا مالِ مہربانی سے ان اختلافات سے الگ رکھا اور اپنے قانون اور اذن کے عین مطابق ان کو ہدایت یاب کر دیا کیونکہ اللہ کا قانونِ مشیت ہے ہی یہ کہ جو شخص (نیک نیتی سے) ہدایت کی طرف آنا چاہے اللہ اس کو صراطِ مستقیم کی طرف ضرور ہدایت فرما دیتا ہے (۲/۲۱۳)۔

(۵) جناب عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ آپ نے بنی اسرائیل کو اللہ کی آیاتِ بیّنات کے ذریعہ سمجھایا اور ان کو دعوتِ ایمان دی۔ ان کو بتایا کہ میں تورات کا مصدق بن کر آیا ہوں اور تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے جو چیزیں تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان کو دوبارہ حلال کرنے کے لئے آیا ہوں اور اس کام کے لئے میں اللہ کا صریح اور واضح حکم (آیہ) لے کر آیا ہوں، پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کے قوانین کی خلاف ورزی سے حذر کرو اور بچو) اور میری اطاعت کرو اور میرا یہ بیان بڑے غور سے سُن لو کہ صرف اللہ (واحد ہی) میرا بھی رب ہے اور وہی تم سب کا بھی رب ہے۔ پس تم سب اسی کی عبودیت (اور محکومیت) اختیار کرو۔ بس یہی صراطِ مستقیم ہے (۵۱ — ۳/۴۹)۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ اللہ واحد کی محکومیت اور عبودیت اختیار کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

(۶) جناب رسول اکرم و اعظم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی معرفت اہلِ کتاب کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کی آیات سے کفر نہ کرو اور نہ ہی ایمان لانے والوں کو اللہ کی راہ سے روکو اور ساتھ ہی مومنوں کو بھی آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم لوگ ایسے (کفر کرنے والے اور اللہ کی راہ سے روکنے والے) اہلِ کتاب کی اطاعت بالکل نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم نے انکی اطاعت کر لی تو یہ تو تم کو تمہارے ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

تم بھلا کفر کی طرف اب کیسے راغب ہو سکتے ہو کہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور خود اللہ کا رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تم میں موجود ہے (مومنینِ اوّلین کے اندر رسولِ کریم بنفسِ نفیس موجود تھے اور بعد میں آنے والے قیامت تک کے لئے آپ اپنے اسوہ حسنہ کی وساطت سے جو قرآنِ کریم میں موجود ہے ہمہ وقت حاضر و موجود ہیں)۔

تو اب جو شخص اللہ کی ہدایت کی رسّی (یعنی قرآنِ کریم کو نہایت مضبوطی (اور صدق وصفا) سے تھام لے (اور کسی کافر کا کہا نہ مانے) تو ایسا ہی شخص وہ خوش نصیب ہوتا ہے کہ جس کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کر دی جاتی ہے (۱۰۱ — ۳/۹۸)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر کافر سے رشتہ توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ (اس کے قرآن) سے رشتہ استوار کر لینے سے ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے۔

(۷) اللہ کریم اپنے رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے فرما رہا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں آپ کو

حکم اور منصف تسلیم نہ کرلیں اور پھر آپؐ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کردیں اور اپنے دل میں اس کے خلاف کوئی تنگی محسوس نہ کریں اس وقت تک یہ مومن نہیں ہوسکتے۔

اگر ہم ان کو کہیں یہ حکم دے دیتے کہ اپنے نفوس کو قتل کرو اور اپنے گھروں میں سے نکل جاؤ تو ان میں سے بہت کم ایسا کرتے۔ حالانکہ جن باتوں کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے اگر وہ ان پر عمل پیرا ہو جاتے تو یہ ان کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اور یہ بات (دین میں) ان کی بہت زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتی اور اس کے صلے میں ہم اپنی جناب سے ان کو اجرِ عظیم عطا کرتے .... اور یوں ہم ان کی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دیتے۔ (۴/۶۵ — ۶۸)

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول کا حکم ماننا، ان کے ہر فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا۔ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے آپ (اپنے نفوس) کو مار دینا اور اس کی راہ میں گھر بار چھوڑ جانا، ہی اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ اس سے بہت زیادہ ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے اجرِ عظیم ملتا ہے اور یہ ہے گویا اللہ کی طرف سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت۔

(۸) اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان پر اپنے احسان کا اظہار یوں فرماتا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (بصورتِ قرآن اور صاحبِ قرآن) آچکی ہے اور ہم نے تم سب کی طرف یہ نورِ مبین (قرآنِ کریم) نازل فرمادیا ہے ...... پس جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں اور اس (اس کے دین اور قرآن) سے بہ دل و جان وابستہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں کو اللہ بہت جلد اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل فرما دے گا اور ان کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کردے گا۔

تو اللہ، اس کی برہان اور نورِ مبین پر ایمان لانا اور اس کے ساتھ اعتصام کرنا (پورے دل و جان سے ان سے وابستہ ہو جانا) اللہ کی رحمت اور فضل کا باعث ہوتا ہے اور یوں اللہ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کردیتا ہے۔ (۴/۱۷۵ — ۱۷۶)۔

تمسک بالقرآن اور ایمان باللہ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کی ضمانت ہے۔

[illegible] کو خطاب کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے کہ تمہارے پاس ہمارا رسول (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) تشریف [illegible] کی شان یہ ہے کہ الکتاب کی وہ بہت ساری باتیں جن کو تم نے چھپا رکھا تھا تم پر ظاہر فرما رہا ہے [illegible] سی لغزشوں سے چشم پوشی بھی کر رہا ہے (تو اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ) تمہارے پاس اللہ کی طرف [illegible] قرآن کریم) آگیا ہے، تو جو شخص بھی اللہ کی رضوان (اس کی رضا اور منشاء) کی اتباع کریگا [illegible] ستے دکھا دے گا اور ان کو اپنے قانون (اذن) کے عین مطابق ہر قسم تاریکیوں سے

نکال کر نور کی طرف لے آئے گا اور یوں ان کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دے گا (۱۶ - ۵/۱۵)۔

اللہ کے رسول اور نور (قرآنِ کریم) کے مطابق اللہ کی رضوان (رضا اور منشاء) کی اتباع کرنے سے تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور انسان نور کے ہالہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ ہے صراطِ مستقیم کی طرف اللہ کی ہدایت۔

(۱۰) اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے سے انسان بہرہ اور گونگا ہو کر اتھاہ اندھیروں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو اپنے قانونِ مشیت کے عین مطابق گمراہ قرار دے دیتا ہے۔ (مگر جو لوگ اللہ کی آیات کی تصدیق کرتے ہیں تو اس قسم کے لوگوں کو۔ یعنی اللہ کی آیات کی تصدیق کرنے والوں کو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے (۶/۳۹)۔

اللہ کی آیات کی تصدیق کرنے سے ہی صراطِ مستقیم مل سکتی ہے۔

(۱۱) سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کم از کم اٹھارہ (۱۸) انبیائے کرامؑ کے ذکرِ جمیل (ان کی صفات و کمالات کے بیان) کے بعد فرماتا ہے کہ یہ سارے انبیائے کرامؑ، ان میں سے اکثر کے آباء و اجداد، ان کی اولادیں اور ان کے بھائی بندوں کو ہم نے منتخب کر لیا اور ان کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دی۔ (یوں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کر دینا) اللہ کی ہدایت ہے اور اللہ اپنی اس ہدایت سے اپنے بندوں میں جن کو چاہتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق سرفراز فرما دیتا ہے۔ لیکن اگر لوگ شرک کرنے لگ جائیں تو پھر ان کے تمام اعمال (چاہے وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں) ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں (۸۹ - ۶/۸۴)۔

شرک سے کلّی طور پر اجتناب کر کے انبیاء کرامؑ کی اتباع کرنا ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پانا ہے۔

(۱۲) اللہ کا محکم قانون ہے کہ اللہ جس شخص کو ہدایت کا متلاشی پاتا ہے وہ اس کا اسلام کے لئے شرح صدر کر دیتا ہے (اس کو اسلام کی ساری باتیں سمجھ آنے لگ جاتی ہیں) اور جس شخص کو اللہ دیکھتا ہے کہ وہ ضلال اور گمراہی ہی کی طرف مائل ہے تو وہ اس کے صدر (سینے) کو (اسلام کے معاملہ میں) تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ اس شخص کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک سخت چڑھائی (بلندی) پر چڑھ رہا ہے۔ تو یوں جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ ان کے اوپر رجس طاری کر دیتا ہے (ان کو تردد و اضطراب اور شک و التباس میں گرفتار کر دیتا ہے)۔

تو یوں ہدایت کے طلب گاروں کے لئے اسلام کی خاطر شرحِ صدر کر دینا ہی تیرے رب کی صراطِ مستقیم ہے۔ دیکھئے ہم صاحبانِ ذکر و فکر کے لئے کس تفصیل سے آیات بیان کر دیتے ہیں۔ ایسے اصحابِ ذکر و فکر کے لئے ان کے ربّ کے ہاں ان کے لئے دارالسلام (سلامتی اور امن کا گھر) ہے۔ ان کے اچھے اعمال کی بنا پر ہی اللہ ان کا ولی و دوست اور ناصر و مددگار بن جاتا ہے۔ (۱۲۸ - ۶/۱۲۶)۔

اللہ کی طرف سے اسلام کی خاطر شرح صدر ہو جانا ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت پانا ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریمؐ کی معرفت مومنوں کو کچھ ہدایات دے رہا ہے جو بڑی قابلِ غور ہیں۔ جنابِ رسول اللہ کو حکم ہے کہ ان کو بلاؤ اور ان کو بتاؤ کہ تمہارے ربّ نے تم پر کیا کیا کچھ حرام فرما دیا ہے۔ یہ احکام حسبِ ذیل ہیں:

۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

۲) والدین کے ساتھ احسان (حسنِ سلوک) کرو۔

۳) اپنی اولاد کو ناداری اور مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرنا (تم مفلسی اور ناداری کو پاس ہی نہ آنے دو۔ اللہ کے قانون کے مطابق اس کا فضل تلاش کرو تاکہ خوشحال ہو جاؤ اور یوں اپنی اولاد کی خاص کر صحیح تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت کر سکو) تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کی ذمہ داری ہم پر ہی ہے (اور ہم نے ہی حصولِ رزق کے محکم قوانین وضع کر رکھے ہیں۔ ان قوانین پر عمل کر کے رزق حلال کماؤ اور مفلسی و ناداری سے نجات حاصل کرو)۔

۴) فواحش (فحش باتوں اور کاموں) کے قریب تک نہ جاؤ۔ چاہے یہ فواحش ظاہر اور کھلے ہوں یا باطن اور مخفی ہوں۔

۵) جس جان کا قتل اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے اس کو ناحق مت قتل کرو۔

ان باتوں کی اللہ تم کو وصیت اور تاکید اس لئے کرتا ہے کہ تم عقل سے کام لے سکو (اور اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی نہ کرو)۔

۶) جب تک یتیم بالغ نہ ہو جائے اس وقت تک تم اس کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ الّا یہ کہ حسن کارانہ طریقے سے اس کا استعمال کرو (جو اس یتیم کے حق میں مفید اور بہتر ہو)۔

۷) ناپ اور تول انصاف کے ساتھ بالکل پورا پورا کیا کرو۔

(یہ سارے احکام ایسے نہیں ہیں کہ جو تمہاری وسعتِ کار سے بڑھ کر ہوں) ہمارا اصول ہی یہ ہے کہ ہم کسی متنفس کو اس کی وسعت اور طاقت سے بڑھ کر مکلف کرتے ہی نہیں۔

۸) جب بھی کسی کے متعلق کوئی بات کرو (یا گواہی دو) تو نہایت عدل و انصاف سے کام لو، چاہے اس بات کا ہدف تمہارا کوئی قریبی ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو ہمیشہ پورا کرو۔ یہ تمام تاکید اور وصیت تم کو محض اس لئے کی جا رہی ہے کہ تم تذکّر کر سکو (تم سوچ سمجھ سے کام لے کر صحیح نصیحت حاصل کر سکو)۔

اور ہاں یہ ساری ہدایات جو دی گئی ہیں یہی میری صراطِ مستقیم ہے۔ پس تم اسی صراطِ مستقیم کا اتباع کرو۔ اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر دوسری مختلف راہوں کی اتباع نہ کرنا۔ ورنہ تم اللہ کی راہ (صراطِ مستقیم) سے

الگ ہو جاؤ گے۔

یہ تمام تر تاکید اور وصیت تم کو اس لئے کی جا رہی ہے کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔ (تمہارے اندر تقوے کی صفت پیدا ہو جائے کہ تم اللہ کے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔) (۱۵۳- ۶/۱۵۲)۔

یہاں پر صراطِ مستقیم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرنے کا نام ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے کسی بھی راستے کی اتباع دین سے الگ ہو جانا ہے۔

(۱۴) جناب رسولؐ اللہ کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ جو لوگ اپنے ایک واحد دین (اسلام) میں فرقے بنا لیں اور الگ الگ گروہ بن جائیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ خود ان کو اُن (کی فرقہ بندی) کے افعال کی خبر دے گا۔ ہمارا محکم اصول اور قانون یہ ہے کہ

جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ملے گا۔ البتہ جو کوئی برائی لے کر آئے گا اس کو اس برائی کے برابر سزا ملے گی اور ان لوگوں پر قطعاً کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو گی۔

اس لئے آپ ان لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرما دیں کہ میرے رب نے تو میری ہدایت صراطِ مستقیم کی طرف فرما دی ہے۔ یہ (صراطِ مستقیم) دینِ قیم ہے۔ یہ ملتِ ابراہیم حنیف ہے اور جناب ابراہیمؑ یقیناً مشرک نہ تھے (۱۶۳- ۶/۱۶۱)۔

دینِ ابراہیم حنیف ہی درحقیقت دینِ قیم ہے اور اسی دین کی طرف ہدایت ہو جانا ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ہو جانا ہے۔

(۱۵) ابلیس اور شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کر رکھا ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگائے گا اور ہر طرح کی کوشش کرے گا کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے اور اس تک نہ پہنچ سکے۔ مگر اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا کوئی زور نہ چل سکے گا (۱۶/۷ ، ۱۵/۴۱)۔

(۱۶) اللہ کی دعوت بنی نوع انسان کو یہ ہے کہ وہ دارالسلام کی طرف آجائے جو کہ ابدی امن و سلامتی کا گھر ہے اس دارالسلام کی طرف ہدایت اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق ہی ہو سکتی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے (۱۰/۲۵)۔

(۱۷) سورۃ ہود میں جناب ہود علیہ السلام کا اعلان بڑا ہی چشم کشا، دل افروز اور قابلِ توجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خود میرا رب بھی یقیناً صراطِ مستقیم پر ہے، تو صراطِ مستقیم خود اللہ رب العالمین کی راہ ہے (۱۱/۵۶)۔

(۱۸) اس صراطِ مستقیم کو اللہ عزیز و حکیم کی صراط فرمایا گیا ہے اور جناب رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو یہ فرض سونپا

گیا کہ وہ بنی نوع انسان کو ہمہ قسم تاریکیوں سے نکال کر اللہ کی نازل کردہ کتاب (قرآنِ مجید) کے ذریعے اللہ عزیز و حکیم کی صراط کی طرف لے آئیں جو سراسر نور ہی نور ہے (۱۴/۱)۔

(۱۹) اللہ کی عطا کردہ قوتوں کا صحیح اور مناسب استعمال کر کے عدل و انصاف کے امور کا قائم کرنا صراطِ مستقیم ہے (۱۶/۷۶)

(۲۰) جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک امت تھے۔ وہ قانت (فرمانبردار) اور حنیف تھے۔ وہ مشرک بالکل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح معنوں میں شکر بجالانے والے تھے۔ بایں وجہ اللہ نے ان کو منتخب فرما کر صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کر دی (۱۶/۱۲۱ — ۱۲۰)۔ لہٰذا صراطِ مستقیم کے طلب گاروں کو جناب ابراہیم علیہ السلام کی ان صفاتِ عالیہ کو اپنانا ہوگا۔

(۲۱) ہر نبی (خصوصاً جناب عیسیٰ اور جناب محمد رسول اللہ علیہما السلام) کا ہمیشہ یہ ارشاد اور اعلان رہا کہ اللہ ہی میرا اور تم سب لوگوں کا رب ہے۔ لہٰذا صرف اسی کی عبودیت (اور محکومیت) اختیار کرو کیونکہ یہی صراطِ مستقیم ہے (۱۹/۳۶)

(۲۲) صاحبانِ علم خوب جانتے ہیں کہ یہ (وحیِ قرآن) الحق ہے اور یہ تیرے رب ہی کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس (وحی) پر (صدقِ دل) سے ایمان لے آئیں اور ان کے قلوب اللہ کی طرف عجز و انکساری سے جھک جائیں۔ اس قسم کا ایمان لے آنے والے لوگوں کو اللہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے (۲۲/۵۴)۔ تو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت علم و ایمان اور دل کے جھکاؤ اور عجز و انکساری کا ثمر ہوتی ہے۔

(۲۳) جناب رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی شان یہ بتائی کہ آپ بغیر کسی لالچ کے محض اللہ رب العالمین کی خوشنودی کی خاطر جو بہترین رزق دینے والا ہے، لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ تاہم آخرت کے منکر لوگ اس صراطِ مستقیم سے بھٹک کر الگ ہو جاتے ہیں (۲۳/۷۳ — ۷۴)۔

(۲۴) اللہ تعالیٰ نے اپنی آیاتِ بیّنات تو نازل فرما دیں مگر وہ لوگوں کو ہدایت اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی دیتا ہے جو شخص اس ہدایت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو مل جاتی ہے اور جو اس سے صرفِ نظر کرتا ہے وہ محروم رہ جاتا ہے (۲۴/۴۶)۔

(۲۵) اللہ عزیز و رحیم اپنے قرآنِ حکیم کو شہادت میں پیش فرما کر جناب رسولِ اکرم و اعظم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو یقین دلاتا ہے کہ آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں اور آپ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں (۵ — ۳۶/۱)۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قبل از وقت آگاہ فرما دیا ہوا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس لئے اس کی عبودیت اختیار نہ کرو بلکہ صرف میری (اللہ واحد کی) عبودیت اختیار کرو کیونکہ یہی صراطِ مستقیم ہے (۶۱ — ۳۶/۶۰)۔

(۲۷) اللہ تعالیٰ جناب موسیٰ اور جناب ہارون علیہما السلام کا ذکرِ جمیل فرماتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ ہم نے ان دونوں پر بڑا احسان کیا۔ ان کو اور ان کی قوم کو کربِ عظیم سے نجات دلائی۔ ان کی نصرت فرما کر ان کو مخالفین پر غلبہ عطا

فرمایا اور ان دونوں حضرات کو نہایت واضح المطالب کتاب عنایت کی۔ اور یوں ان دونوں کو صراطِ مستقیم دکھا دی۔ یہ دونوں ہمارے مومن بندے تھے اور محسنین میں سے تھے۔ اس لئے آخر زمانہ تک موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام بھیجا جاتا رہے گا (۱۲۲ـ ۳۷/۱۱۴)۔

کسی کربِ عظیم سے نجات، مخالفین پر غلبہ، خدا کی طرف سے واضح المطالب کتاب کامل جانا ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ہے اور اس ایمان واحسان کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

(۲۸) جناب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ عظمیٰ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن وحی فرما دیا اور یہ ایسا نور ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے قانونِ مشیت کے عین مطابق اپنے بندوں کو ہدایت یاب کریں گے تو اب آپ کا کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو (اس قرآن اور نور کے ذریعے) صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے جائیں یہ اس اللہ کی صراطِ (مستقیم) ہے جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کا سب کچھ ہے اور (اے لوگو!) خوب سُن رکھو کہ انجام کار تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے اور اس وقت ہر امر کا حتمی اور قطعی فیصلہ صادر فرما دیا جائے گا (۵۳ـ ۴۲/۵۲)۔

(۲۹) رسولِ اکرم واعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا جا رہا ہے (یعنی یہ قرآن) آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور اس کے ساتھ متمسک رہیں اور یقین (اور اطمینان) رکھیں کہ آپ بالکل صراطِ مستقیم پر ہیں (۴۳/۴۳)۔

گویا تمسک بالقرآن ہی صراطِ مستقیم ہے۔

(۳۰) علم الساعۃ (قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا وقت اور علم) تو یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے۔ (البتہ اس کا واقع ہونا یقینی امر ہے)۔ لہٰذا تم اس کے بارے میں کسی شک و شبہ میں ہرگز نہ پڑو۔ پس میری اتباع کرتے جاؤ۔ کیونکہ یہی صراطِ مستقیم ہے (۴۳/۶۱)۔

(۳۱) یہی بات جناب عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بڑا زور دے کر فرمائی کہ میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم (خواہ مخواہ) اختلاف کر رہے ہو ان کی اصل حقیقت تم پر بیان کر دوں۔ لہٰذا تم صرف اللہ کا تقوٰے اختیار کرو اور (جس کا طریقہ یہ ہے کہ) میری اطاعت کرو۔ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تم سب کا بھی وہی رب ہے۔ پس اسی کی (یعنی اللہ واحد رب العالمین کی) عبودیت اختیار کرو۔ اور یہی ہے صراطِ مستقیم (۶۴ـ ۴۳/۶۳)۔

اللہ واحد کو رب تسلیم کر کے صرف اسی کی عبودیت اختیار کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

(۳۲) کچھ جنوں نے آکر قرآن کو غور سے سُنا سمجھا اور واپس جا کر اپنی قوم کو تنذیر کرنے لگے۔ انہوں نے اپنی قوم سے

کہا کہ ہم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل شدہ ایک ایسی کتاب (قرآنِ کریم) کو سنا ہے جو اپنے سے ماقبل کتابوں کی مصدق ہے اور حق اور طریقِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتی ہے (۳۰۔ ۲۹/۶۴)۔

یہاں پر صراطِ مستقیم کو طریقِ مستقیم کہا گیا ہے، تو سارا قرآن گویا صراطِ مستقیم کی طرف ہی ہدایت دیتا ہے جو عین حق ہے۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے فتح و نصرت کے باب کھول دے۔ آپؐ پر لگائی گئی تمام تہمتوں اور بہتانوں (جو قبل از فتح لوگ لگاتے تھے یا بعد میں دریدہ دہن لوگ لگانے کی جسارت کریں گے) سے آپؐ کو بری کر دیا۔ (آپؐ کی عصمت کی حفاظت فرمادی) اور اللہ نے آپؐ پر اپنے انعامات کا اتمام کر دیا اور آپؐ کو ہمیشہ کے لئے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادی اور یہ آپؐ کے حق میں اللہ کی بڑی ہی عزیز و عظیم نصرت تھی (۳۔ ۱/۴۸)۔

تو اللہ کی نصرت و نعمت اور تائید و احسان ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت ہے۔

(۳۴) اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنا احسان و انعام یوں بیان فرماتا ہے کہ تمہیں بے شمار غنائم کا وعدہ دیا گیا۔ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں بے بس کر دیا گیا۔ ان کے تمہارے خلاف اٹھے ہوئے ہاتھ رُک گئے اور تم تمام لوگوں کے لئے اللہ کی آیت اور برہان بن گئے اور یوں اللہ نے تم کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دی (۲۰/۴۸)۔

فتح و نصرت، غلبہ و کامرانی کا عطا ہو جانا بھی گویا صراطِ مستقیم کا مل جانا ہے۔

(۳۵) اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے کمالات اور انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ایک قسم کے لوگ تو وہ ہیں جو بلا سوچے سمجھے اندھا دھند اوندھے مُنہ سرنگوں لڑھکتے چلے جا رہے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں کہ نہایت متوازن طور پر خوب پاؤں جما کر امن و اطمینان کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چل رہے ہیں۔

کیا یہ دونوں قسم کے لوگ برابر ہو سکتے ہیں ..... ظاہر ہے کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے ..... (۶۷/۲۲)۔

تو اس لئے انسان کو لازم ہے کہ توازن بدوش صراطِ مستقیم ہی پر چلتا رہے۔

ہم نے صراطِ مستقیم کی عظیم الشان اصطلاح کا مطالعہ قرآنِ کریم سے تصریفِ آیات کے ذریعے کیا۔

آپ حضرات غور سے از خود ان تمام آیاتِ کریمہ کا مطالعہ فرمائیں ..... اور پھر سوچیں کہ کیا یہ موضوع کسی بھی لحاظ سے تشنہ رہ جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ صراطِ مستقیم کی مکمل طور پر نہایت وضاحت سے تشریح ہو گئی ہے۔

اب ایک مومن و مسلم کا کام صرف یہ ہے کہ وہ صراطِ مستقیم کے ان تمام مطالب و مفاہیم کو پیشِ نظر رکھے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے۔

مختصر طور پر

ا۔ اللہ تعالیٰ خود صراطِ مستقیم پر ہے۔

ب۔ اللہ کے تمام انبیاء و رسل صراطِ مستقیم پر تھے۔

ج۔ اللہ کا ہر بندہ جو مومن و مواحد ہے اور مشرک نہیں ہے وہ صراطِ مستقیم پر ہی ہوتا ہے۔

ہ۔ قرآنِ کریم کا خلاصہ اور لبِ لباب صراطِ مستقیم ہی ہے۔

د۔ صراطِ مستقیم اپنانے سے امن و اطمینان، سکونِ قلب اور راحتِ دل و جان میسّر آتی ہے۔

اللہ ہم سب کو صراطِ مستقیم کو سمجھنے اور اس کو اپنانے کی توفیقِ ارزانی فرمائے۔

قرآنِ کریم کی روشنی میں نوعِ انسانی کے

بنیادی حقوق

نوعِ انسانی کا ایک ایک فرد واجب التکریم ہے۔ (۱۷/۷۰)

نوعِ انسانی کا ہر فرد، خوراک، لباس، مکان، علاج اور تعلیم و رہائش کا مساوی حقدار ہے۔ (۲/۳۶)

تسخیرِ کائنات انسانی فریضہ ہے (۴۵/۱۳) لیکن اس کے ماحصل پر کسی فرد یا قوم کو حقِ تصرف حاصل نہیں، اس پر پوری نوعِ انسانی کا مساوی حق ہے۔ (۲/۲۹)

انسانی بنیادی حقوق کی ذمہ داری مرکزی حکومت پر ہے۔ (۲۲/۴۱)

انصاف ہر کسی کو میسّر آئے گا اور جملہ تنازعات میں اصل حاکم خدا تعالیٰ کی مقدّس کتاب ہوگی۔

توجّہ فرمائیے

قارئین محترم! _____ السّلام علیکُم

- اس پرچے کی ترسیل کے ساتھ سال ۱۹۹۳ء اختتام پذیر ہوا۔ آپ کی رفاقت کے لئے ہم آپ کے ممنون ہیں۔
- سال ۱۹۹۴ء میں قدم رکھنے سے پہلے یقین کر لیجئے کہ :۔

۱۔ سال ۱۹۹۴ء کے لئے پرچے کی خریداری کی تجدید آپ نے کر دی ہے۔

۲۔ عزیز و اقارب کے نام جاری کروائے گئے پرچوں کو جاری رکھنے یا نہ بند کرنے کی اطلاع آپ نے ادارہ کو دے دی ہے۔

۳۔ ذاتی کھاتوں میں موجود بقایا جات آپ نے ادا فرما دیئے ہیں۔

- آپ کی اطلاع کے لئے :۔

۱۔ زرِ شرکت، پاکستان کے لئے _____ ۱۲۰ روپے

ایشیا، افریقہ اور یورپ کے لئے _____ ۱۸ ڈالر یا ۵۴۰ روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ کے لئے _____ ۲۰ ڈالر یا ۶۰۰ روپے

زرِ شرکت بذریعہ چیک بھجوانے کی صورت میں ۲۰ روپے کا اضافہ فرمائیے۔

۲۔ ادارہ کے اکاؤنٹ ۵۴ - ۳۹۷۲ حبیب بنک لمیٹڈ (مین گلبرگ برانچ) لاہور میں ادارہ کے نام رقوم بھجوا کر ادارہ میں ذاتی حساب (کھاتہ) بھی کھلوایا جا سکتا ہے۔ کھاتہ داروں کے پرچوں کی تجدید خریداروں کے ادارہ میں موجود کھاتوں سے کر دی جاتی ہے۔ اپنے کھاتہ سے وہ مطلوبہ کتب بھی خرید سکتے ہیں۔

طلوعِ اسلام ایک دینی پرچہ ہے

خرید کر پڑھیئے ۔ دوسروں کو اس پر آمادہ کیجئے ۔ (ناظمِ ادارہ)

ثریا عندلیب

قائدِ اعظمؒ کا پاکستان

قائداعظمؒ نے فرمایا: "یاد رکھئے! ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد اسلام ہے۔"

قائداعظمؒ نے ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو ریڈیو پر قوم کے نام پیغامِ عید نشر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے قرآنی تعلیم کے مختلف گوشوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

"معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی، اسے آخر الامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہیئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روحِ اسلام ہے۔" (تقاریر، جلد اوّل صـ۱۰۸)

مارچ ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا۔ "ذات برادری کی تقسیم اور شیعہ سنّی کی تفریق ہمیں ایک قوم نہیں بننے دے گی۔ ان تفریقات کو ختم کر دیجئے۔ یاد رکھئے! ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد اسلام ہے۔" (تقاریر، جلد دوم صـ۸۹)

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس پشاور سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم جس آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اس کے حصول کے لئے ہمارے پاس قوت کونسی ہے؟ ہماری وہ قوت، ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور اسلامک آئیڈیلز ہیں۔" (تقاریر، جلد دوم صـ۳۳۸)

قائداعظمؒ نے ۱۹۴۵ء میں اپنے پیغامِ عید میں قوم سے کہا۔ "یاد رکھئے! اسلام صرف روحانی احکام اور نظریات یا مذہبی رسوم و مراسم کا نام نہیں۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اسلامی معاشرے کے ہر گوشے کو محیط ہے۔ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو اور خواہ حیاتِ اجتماعیہ سے۔" (تقاریر، جلد دوم صـ۳۰۱)

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسلمان اس لئے پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس مملکت میں وہ اپنے ضابطۂ زندگی -

اپنے ثقافتی نشوونما اور روایات و اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

(تقاریر حصّہ دوم ص ۳۳۳)

اسی حقیقت کو ماہ نومبر میں ہی اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے دہرایا۔ (ایضاً ص ۳۵۱)

۸۔ نومبر ۱۹۴۵ء ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظمؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔

"پاکستان ایک مسلم سٹیٹ ہوگی۔" (تقاریر جلد دوم ص ۳۲۶)

لندن میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو فرمایا۔ "ہم ایک ایسی آزاد مملکت چاہتے ہیں جس میں ہم اپنے تصوراتِ حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔" (تقاریر حصّہ دوم)

اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظمؒ سے ایک پیغام کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔

"تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں جب کہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری رہنمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے خدا کی کتابِ عظیم قرآنِ کریم۔" (تقاریر جلد اوّل ص ۵۱۶)

دسمبر ۱۹۴۳ء میں کراچی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے پہلے خود ہی سوال اٹھایا "وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملّت کی عمارت استوار ہے، وہ کونسا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے"؟ اس کے بعد خود ہی ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ "وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتابِ عظیم قرآنِ مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، فلہٰذا ایک قوم۔" (تقاریر جلد دوم ص ۵۰)

۱۹۴۵ء ملّت کے نام عید کے پیغام میں فرمایا۔

"اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ قرآن کے احکام مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔"

مشہور مورخ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

"بحرِ اطلانتک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف الہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے۔ جس کے قوانین نوعِ انسانی کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں اور یہ قوانین

غیر متبدّل منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔"

اس کے بعد قائداعظمؒ فرماتے ہیں۔

"اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطۂ زندگی ہے جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، فوج، دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرّہ کے معمولات روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی پاکیزگی کا۔ اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا۔ عام اخلاقیات ہوں یا جرائم۔ دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا۔ ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔ اس لئے نبیٔ اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے (انہیں الگ مذہبی پیشواؤں کی ضرورت ہی نہیں)۔" (تقاریر، جلد دوم ص۳۰۰)

۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیجسلیٹرز کا کنونشن منعقد ہوا۔ اس کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا۔ "اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے! یاد رکھئے! ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک اسٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔" (تقاریر، جلد دوم ص۳۸۶)

انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا۔

"پاکستان کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتّب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتّب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو۔ یہ مسلّمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔" (تقاریر بہ حیثیت گورنر جنرل ص۶۵)

اسلامی مملکت پاکستانیہ کی اساس و ضوابط کے متعلق قائداعظمؒ کے فرمودات۔

حیدرآباد (دکن) کی عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت میں پوچھا گیا۔ مذہب اور مذہبی

حکومت کے لوازم کیا ہیں؟ فرمایا:

"جب میں انگریزی زبان میں مذہب (RELIGION) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور قوانینِ اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآنِ کریم کی اصولی ہدایات اور طریقِ عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔"

سوال ہوا کہ اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ قائداعظمؒ نے جواب میں کہا۔ "اشتراکیت یا بالشویت یا اسی قسم کے دیگر معاشی یا سیاسی مسالک درحقیقت اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی شکلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سارا ربط و تناسب نہیں پایا جاتا۔"

اس سلسلے کا تیسرا سوال یہ تھا کہ اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے 'نظریہ پاکستان' کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ فرمایا۔

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی ــــ قرآنِ حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔" (روزنامہ انقلاب ۱۹۴۱ء)

۲۵۔ جنوری ۱۹۴۸ء کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اسلام اور اس کی عالی نظری نے جمہوریت سکھائی ہے۔ اسلام نے مساوات سکھائی ہے۔ ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ کسی بھی شخص کے پاس کیا جواز ہے۔ کہ وہ عوام الناس کے لئے انصاف اور رواداری پر اور دیانت داری کے اعلیٰ معیار پر مبنی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے

گھبرائیے۔"

۱۴ فروری ۱۹۴۸ء سبی دربار، بلوچستان میں خطاب۔ "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے "ضابطہ حیات" پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضعِ قانون پیغمبرِ اسلام نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے "مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کرو۔"

پاکستان کی پہلی سالگرہ ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء پر قائداعظمؒ نے فرمایا۔

"قدرت نے آپ کو ہر چیز سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کے پاس لامحدود وسائل موجود ہیں۔ آپ کی ریاست کی بنیاد مضبوطی سے رکھ دی گئی ہیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی تعمیر کریں اور جلد از جلد اور عمدہ سے عمدہ تعمیر، سو آگے بڑھئے اور بڑھتے ہی جائیے۔"

کراچی صدر میں

(بذریعہ وڈیو کیسٹ)

سلسلہ وار درسِ قرآنِ کریم کا اہتمام کیا گیا ہے

مقام

فاروق ہوٹل ہال پہلی منزل

بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ زیب النسار سٹریٹ

وقت ـــــ صبح ۱۰ بجے ـــــ ہر جمعۃ المبارک

دعوتِ عام ہے

ـــــ خواتین و حضرات تشریف لائیں ـــــ

اوقاتِ درس کے دوران تیس فیصد رعایت کے ساتھ

قرآنی لٹریچر، جملہ مطبوعاتِ طلوعِ اسلام ٹرسٹ اور مجلہ طلوعِ اسلام کے تازہ شمارے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ نیز مطلوبہ کتب و رسالے بذریعہ ڈاک یا ٹرانسپورٹ بھی ارسال کئے جاسکتے ہیں اور حیدرآباد سندھ سے بھی مل سکتے ہیں۔

رابطہ کراچی ۱۔ ایاز حسین انصاری، نمائندہ بزم۔ ڈی/5 ایرپورٹ کراچی۔ فون نمبر 4571919 4862569 ـ ۲۔ محمد ریاض قریشی۔ فون نمبر 549055

رابطہ حیدرآباد ایاز حسین انصاری بروز پیر، منگل، بدھ و جمعرات۔ ہاؤس نمبر ۱۲ بلاک بی حیدرآباد ٹاؤن۔ فیز ۲، بالمقابل نسیم نگر۔ فون نمبر 654906۔

محمد اسلم رانا

بیسویں صدی اور مسلمان

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دَور کی اک دھندلی سی تصویر دیکھ

قرآنِ مجید نے سیروا فی الارض پر بڑا زور دیا ہے تاکہ عقل وبصیرت والے اس نتیجے پر پہنچ پائیں کہ شوکت وعظمت حکومت وسطوت اور علم وبصیرت کی حامل اقوام کس غفلت اور کن نادیدہ جرائم کی پاداش میں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ قرآن نے اس کی مثال قومِ نوحؑ، قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ لوطؑ کی دی جو مکہ شہر (امّ القریٰ) کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھیں۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ

"چنانچہ یہ ان کے مکانات ویران پڑے ہیں۔ بلاشبہ (ان کی) اس (عبرت انگیز تباہی) میں ان لوگوں کے لئے جو حقیقت کا علم رکھتے ہیں (بڑی) نشانی ہے" (۲۷/۵۲)

قریب ۵۰۰ برس قبل جب سلطنتِ عثمانیہ یورپ تک پھیلی ہوئی تھی اور مزید آگے سرک رہی تھی تو یورپ کے دستکاروں اور تاجروں کے لئے خام مال کے حصول میں مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اس تشویشناک صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے یورپ نے حرب وضرب کے سامان سے لیس ایک بہت بڑا بحری بیڑہ کولمبس کی سربراہی میں مشرقِ بعید کے لئے روانہ کیا۔ یہ بحری بیڑہ ابنِ بطوطہ کے کھینچے ہوئے خطوط پر چلا تھا۔ غالباً یہ پانیوں کی تیزی تھی کہ وہ ایک ایسی سرزمین پر جا پہنچا جسے آج شمالی امریکہ، کینیڈا اور جنوبی امریکہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کی آبادیوں کو دفاع کی ضرورت شاید نہیں پڑی تھی یا وہ اس قابل ہی نہیں تھیں۔ لہٰذا کولمبس کے بحری قزاقوں کو اس سرزمین میں داخل ہونے میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا۔ (وہاں کی آبادیوں سے ان قزاقوں نے کیا سلوک کیا یہ ہمارا موضوع نہیں ہے)۔ قرآن مجید میں جو جن وانس کا ذکر آیا ہے زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ آبادیاں "جن" کی ملہ میں سے تھیں۔ (آجتک ان کو بالکل الگ تھلگ رکھا ہوا ہے) جدید تحقیقات کے مطابق قریب پانچ ہزار سال قبل جنوبی امریکہ میں جو تہذیبیں پھل پھول رہی تھیں ان میں سے MAYA اور INCA کے متعلق بہت سے حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں کہ یہ تہذیبیں اپنے دَور میں اَوجِ ثریا کو چھو رہی تھیں۔ PERU جنوبی امریکہ

ایک کوہستانی ملک ہے، میں آبپاشی اور سیرابی کے لئے نہروں کا ایسا عدیم النظیر نظام قائم تھا جس پر آج کے محققین ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ تحقیق ہو رہی ہے کہ اتنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اہلیتوں کی حامل قوموں کو آخر ہوا کیا ـــــ اسی دور میں فرعونِ مصر بھی تھے جو تعمیرات میں ملکہ رکھتے تھے۔ پاکستان میں موہنجوڈاروں کی تہذیب کا بھی لگ بھگ وہی دور ہے۔ یہ تہذیب تو آج کے ترقی یافتہ سائنسی دور سے کہیں آگے تھی۔ یہ قوم اپنے صنعتی امور میں ہائیڈرالک تیل استعمال کر رہی تھی، اس کا تجارتی سلسلہ مشرقِ وسطیٰ تک پھیلا ہوا تھا ـــــ ان پھلتی پھولتی تہذیبوں کو آخر ہوا کیا۔ ان علاقوں میں انسان بستے چلے آ رہے ہیں ان کی فنی مہارت کو کیا ہو گیا ـــــ ان قوموں میں کون سی ایسی علت در آئی جس سے ان کی ترقی اور ارتقاء رک گیا۔ ان کی سوچوں، ان کے تصورات اور ان کے فکر کو کون سا دیمک چاٹ گیا کہ حیوانوں کے درجے سے بھی گر گئے۔

"یہ اس لئے کہ جو لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے ہیں خدا ان کا رفیق رہتا ہے اور اس کے قوانین ان لوگوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ان سے انکار کرتے ہیں تو ان کا رفیق اور پشت پناہ کوئی نہیں ہوتا۔" (۴۷/۱۱)

محترم جناب ملک حنیف وجدانی صاحب نے اپنے مضمون "اکیسویں صدی کے تقاضے اور قرآن" جو مجلہ طلوعِ اسلام بابت اپریل ۱۹۹۳ء کی زینت ہے، میں لکھا ہے۔ "اقوامِ عالم اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لئے برق رفتاری سے جامع منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ توانا ہیں اور ہم ناتواں۔ وہ قوی اور صحت مند ہیں اور ہم لاغر و بیمار۔ آہ! کہیں سست رفتاری میں ہم کچلے نہ جائیں....."

مسلمان لاغر اور بیمار تو اٹھارویں صدی سے بہت پہلے ہی ہو چکے تھے۔ تاہم خلافتِ اسلامیہ کے دبدبے سے سولہویں صدی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ مگر "وقت" پر ان کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ ان کے اعمال و افعال میں اس قدر گراوٹ آ چکی تھی کہ انہوں نے مسلمان دشمن نہیں بلکہ اسلام دشمن پیدا کر لئے ـــــ اسلام نے شخصیت پرستی کی لعنت کی مذمت کی اور جڑیں کاٹیں ـــــ مسلمانوں نے اس کی آبیاری کی ـــــ اسلام نے کسی بھی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکم چلانے سے منع کیا ـــــ مسلمانوں نے ظلِ الٰہی پیدا کر لئے ـــــ اسلام نے اعلانیہ بتایا کہ بندے اور خدا کے درمیان کوئی حائل نہیں ـــــ مسلمانوں نے شفاعت اور سفارش کے وسیلے ایجاد کر لئے ـــــ مسلمان بیسویں صدی میں داخل تو ہو گئے مگر قدرت نہ رکھتے ہوئے مقبوضات ہی کیا اپنے علاقوں سے بھی محروم ہو گئے اور طاغوتی قوتوں کے محکوم اور فرمانبردار بن کر رہ گئے۔ ـــــ یہاں سے طاغوتی اقوام نے اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ ان کی حتمی کوشش یہی ہے کہ صدی میں داخل ہوتے وقت مسلمان ان کا شریک نہ ہو۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہی برطانیہ کی گرفت مقبوضات پر ڈھیلی پڑنی شروع ہو گئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے فلسطین

میں اپنی جگہ ناسور چھوڑنے کے انتظامات شروع کر دیئے جس نے ۱۹۶۷ء کے بعد کینسر کی صورت اختیار کر لی اور تب مسلمانوں کو کچلنے کے تمام انتظامات وضع ہونے شروع ہوئے۔

شمالی امریکہ یعنی ریاستہائے متحدہ میں اسفل السافلین کا ایک ایسا گروہ ہے جو امریکی (جنوبی اور شمالی) معاشروں پر چھایا ہوا ہے۔ سرکاری طور پر اس گروہ کو "آرگنائزڈ کرائمز انکارپوریٹڈ" کا نام دیا ہوا ہے، عام فہم میں اسے MOB بھی کہتے ہیں۔ اس گروہ کی سب سے بڑی تجارت "منشیات" جوئے کے اڈے اور فحاشی ہے ـــــ دوسرا گروہ مرکزی ادارۂ ذکاوت ہے۔ یہ حکومت کا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں داخلہ غیر مشروط ہے لیکن علیحدگی ناممکن ـــــ ایسا سوچنا بھی موت۔ یہ ادارہ فرامشن (FREEMASON) کے خطوط پر وجود میں لایا گیا تھا۔ اس کے سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے خصائل ابلیس پر بھی حاوی ہوں (اس کا نقشہ علامہ اقبالؒ کی نظم 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' میں ملتا ہے)۔ اس ادارے کا مقصد ملکی مفادات کے تحفظ کی خاطر بیرونِ ملک تخریب کاری ہے کہ اس نے دنیا کے ممالک کے سربراہوں کو بالعموم اور مسلم ممالک کے سربراہوں اور شریک اصحابِ اقتدار (علماء سُوء) کو بالخصوص اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ اس طرح اس میں شامل سب کے سب ابلیس کے مشیر بن جاتے ہیں۔ مشیروں کی کارکردگی کا دھندلا سا خاکہ یوں ہے،

جس طرح ہر انسان مختلف صلاحیت اور اہلیت سے مرصع ہے اسی طرح ہر خطۂ ارض مختلف وسائل سے بھرپور ہے۔ مشرقِ وسطیٰ زرِ سیال کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ یہاں عرب کے ذخائر امریکیوں کے تسلط میں ہیں جبکہ ایران کے کنوئیں برطانیہ کے پاس تھے۔ ایرانی قوم سے ایک غیور مردِ مجاہد ڈاکٹر مصدق اٹھا جس نے تختِ طاؤس جس کی رکھوالی برطانوی کر رہے تھے، کو نظر انداز کرتے ہوئے تیل کی صنعت کو نیشنلائز کر لیا۔ تیل کی صنعت ہاتھ سے نکل جانے پر انگریز کو پسپائی اختیار کرنی پڑی تو امریکی مرکزی ادارۂ ذکاوت سرگرمِ عمل ہو گیا جس سے شہنشاہِ ایران کے اکھڑتے پاؤں دوبارہ جم گئے۔ گو تیل کی صنعت ایرانی ملکیت میں ہی رہی ـــــ لیکن ڈاکٹر مصدق ـــــ تاریخ بن گیا۔ شاہِ ایران کے پاؤں جو جم گئے تو اس نے ان کو جمائے رکھنے اور اپنی حفاظت کی خاطر جنرل اسمو (چیانگ کائشک) کی طرح سے بری، بحری اور ہوائی افواج کے لئے سامانِ حرب و ضرب کے انبار لگانے شروع کر دیئے۔ اس طرح کی حفاظت بھی اگر ناکام رہی تو اس نے امریکہ میں سرمایہ کاری کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ تیل کی صنعت قومیائے جانے کے باوجود ایرانی قوم کو مجموعی طور پر کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ غریب ایرانی غریب تر ہوتا گیا ـــــ یہ وہ مرحلہ تھا جس نے آیت اللہ خمینی کے لئے ایران میں داخل ہونے کے حالات پیدا کئے اور ایسا ہی ہوا۔ آیت اللہ خمینی فرانس سے چلا تو شاہِ ایران کے لئے زمین تنگ پڑ گئی ـــــ اور وہ شہنشاہ سے صرف رضا شاہ پہلوی رہ گیا۔

کارٹر کی صدارت کے دوران ایران میں امریکی سفارتخانہ کا سارا عملہ ایران کے خلاف تخریب کاری اور سازشوں کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا (امریکی سفارتی عملہ ادارہ ذکاوت کا پابند ہوتا ہے)۔ اس گرفتاری پر مغرب کا پورا میڈیا بوکھلا اٹھا۔

اخبارات مختلف قسم کی تجاویز تحریر کرنے لگے۔ برطانوی اخبارات "ٹائمز" اور "مانچسٹر گارڈین" نے لکھا کہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) قیدیوں کو فراخدلی سے رہا کر دیا کرتے تھے۔ دریں اثنا ادارۂ ذکادت امریکی سفارتی عملہ کو خفیہ طریقوں سے نکال لانے کی تدابیر وضع کر رہا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ نے حضرت موت کے صحرا میں کسی فوری ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک AIRSTRIP بنایا تھا۔ امریکیوں نے سفارتی عملہ کو ٹرکوں میں روپوش رکھ کر اس ہوائی اڈا سے نہایت رازداری میں نکالنے کا مکمل انتظام کیا تھا مگر کسی لاسلکی خودکار میکانزم کے تحت ان کا سارا مکمل پُرلقین انتظام پھک سے راکھ میں تبدیل ہو گیا۔ جس کی تصدیق صدر کارٹر نے ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہوئے اس ناکامی کی تمام تر ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔

اس شرمناک ناکامی پر پیچ و تاب میں، صدام حسین، جو بابل و نینوا کے سیاہ و سفید کے لئے AMBITIOUS نظر آ رہا تھا اور امریکیوں سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہا تھا، کو ایران کی قوت زائل کرنے کے لئے اکسایا، تو وہ اس عزت افزائی پر پھولا نہ سمایا اور بھیڑیئے کی طرح ایران پر ٹوٹ پڑا۔ ابلیس کی سرپرستی میں آٹھ برس تک بے مقصد کی ایک ایسی آتش و آہن کی آنکھ مچولی میں مصروف رہا جس سے دونوں ملک کھنڈرات میں تبدیل ہوتے رہے۔ عورتیں بیوہ ہوتی رہیں، بچے لاوارث اور وسائل اس آتشیں ہولی کی نظر ہوتے رہے۔ اس دوران کویت اپنے تیل کی درآمد کے ساتھ عراقی تیل کی قیمت بھی وصول کرتا رہا۔ اس جاہلانہ آنکھ مچولی کو ختم کرنے کے لئے عرب لیگ کی متعدد مجالس ہوئیں مگر بے سود ——— خیر خدا خدا کر کے یہ آگ بجھ لا خود بخود سرد ہوا تو عراق نے کویت سے آٹھ سال کے دوران تیل کی آمدنی کا تقاضہ کیا تو کویت نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے بات کو ختم کر دیا۔ عرب لیگ (جو ادارہ ذکادت کی ذیلی شاخ ہے) نے مداخلت کی مگر ایک بار پھر اس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

صدام حسین جس کو امریکیوں نے بدماغ بنا دیا تھا، نے کویت پر قبضہ کرنے کی دھمکی دے دی ——— یہاں سے چوہے بلی کا کھیل شروع ہو گیا۔ سامانِ حرب و ضرب کے لئے صدام حسین نے، ایران کے ساتھ جنگ کے دوران، انگلستان میں مشین ٹولز کی متعدد فیکٹریوں میں سرمایہ کاری کی ہوئی تھی اور اسی راستہ وہاں کے فنی مہارت والوں نے بغداد کے نواح میں ناصریہ کے مقام پر مشین ٹولز کا ملٹی بلین ڈالر کا ایک ایسا عظیم الشان کامپلیکس تیار کیا جس کو وہ خود رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صدام حسین نے کویت پر قبضہ کرنے کی جو دھمکی دی تھی تو امریکیوں نے اسے چکما دیا کہ کویت کی حفاظت کے لئے سعودی افواج کا کویت میں اترنا ناگزیر ہے ——— یعنی کچھ وقفہ دیا گیا کہ شیر اپنی کمین گاہ سے باہر نکلے ——— جمال ناصر کی طرح یہ بے وقوف روبوٹ ان کے اس داؤ میں آ گیا۔ بڑے بڑے دعووں اور خیالی امریکی چھتر چھاؤں میں بزدل کردوں کی فوج کو کویت میں پھیلا دیا۔ بظاہر اس دلیرانہ اقدام پر یوں تو عرب بہت خوش ہوئے۔ مگر لومڑی کی ایک ہی گرگی نے سب کی توشیوں پر اوس ڈال دی ——— امریکہ کا بس ایک ہی مطالبہ تھا ——— کویت خالی کر دو ——— بیکر، طارق عزیز ملاقاتیں ہوتی رہیں

جن کا مدار دلیل و براہین قطعاً نہ تھا بلکہ آقا اور فرمانبردار کا تھا۔ در پردہ بابل اور نینوا کے حصے بخرے کرنے کی تدبیریں وضع ہوتی رہیں ـــ صدام حسین کا اکلوتا سہارا گورباچوف ـــ اشتراکیت پر پڑا ہوا آہنی پردہ چاک کرنے میں مشغول تھا۔

کویت نے اقوامِ متحدہ میں واویلا شروع کر دیا تو تینوں شیطانوں نے مسئلے کو حفاظتی کونسل میں منتقل کر دیا جہاں پر سارا عمل دخل ابلیس اور مجلسِ شوریٰ کو حاصل ہے۔ یہاں شیطانوں یمن کی سخت مخالفت کے باوجود صدام حسین کو الٹی میٹم دے دیا کہ ۱۶ جنوری ۹۱ء تک کویت خالی کر دو ورنہ ..... اور ۱۶ جنوری ۹۱ء کے بعد جو آتش و آہن کی بارش عراق پر ہر سو برسی کہ دشت کے بھیڑیئے ہلاکو خاں کی تباہ کاریاں طفلِ مکتب کا کھیل معلوم ہونے لگیں۔ چالیس دن تک طوفانِ نوحؑ کا سماں بندھا رہا۔ تمام مسلم دنیا بلبلا اٹھی مگر وہ ابلیس ہی کیا جو حادثۂ ولادت کی پیداوار سے ڈر جائے ـــ

حضور پُر نور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس راستے سے عمرؓ گزر رہا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے" یہاں اس بھری دنیا میں کہاں سے عمرؓ آئے گا۔ تو کیوں نہ شیطان دندناتا پھرے۔ بدی کو اتنی مہلت ہی تو درکار ہے کہ نیکی خاموش کھڑی تماشا دیکھتی رہے ـــ اشتراکی نظام کے موجد کو علامہ اقبالؒ نے از نسلِ خلیل لکھا ہے۔ مگر جیسے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد نے رشد و ہدایت کے سلسلہ کو اپنی خواہشات کا پابند کر دیا تھا ویسے ہی اشتراکی نظام پر شیطانی اوصاف کے حامل افراد کا غلبہ ہوتے ہی ۷۴ سالہ نظام زمین بوس کر دیا گیا۔ لہٰذا وہ تمام ممالک، جنہوں نے اس نظام کے تصور کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے ایک مرکز سے اشتراک کیا تھا، مرکزی قیادت سے آزاد ہو گئے۔ صدام حسین نے کہا تھا کہ عراق سے جنگ ام الحرب کا پیش خیمہ ہو گی۔ صورت حال کچھ ایسی ہی نظر آ رہی ہے۔ عراق کی تباہی سے مطمئن نہ ہونے کے سبب، شیطانوں نے پھر سے گٹھ جوڑ کیا تو اطالیہ نے معذرت کر لی مگر اطالیہ کو یہ معذرت بہت مہنگی پڑی جس کو دیکھ کر دوسرے دونوں شیطان سجدے میں گر گئے اور اس دفعہ ناصر ٹیہ کا مشین ٹولز کا کامپلیکس آثارِ قدیمہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ بوسنیا ہرسگوینا میں پچھلے ڈیڑھ سال سے کیا کچھ ہو رہا ہے وہ سب ابلیس اور اس کے خصوصی ایلچی بطرس غالی کو نیلسن کی طرح نظر ہی نہیں آ رہا۔ لبنان پر بمباری ہوتی رہی ـــ تو ـــ شام خاموش تماشائی بنا رہا ـــ شام ہی کیا سبھی کو سانپ سونگھ گیا۔

دسمبر ۹۲ء میں بوسنیا ہرسگوینا کے مسئلے پر جدہ میں عرب مسلم کانفرنس منعقد ہوئی تو متفقہ فیصلہ کے مطابق اقوامِ متحدہ کی حفاظتی کونسل کو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ۱۵ جنوری ۹۳ء تک کی مہلت دی گئی۔ ورنہ کیا ـــ ؟ بوسنیا ہرسگوینا کے مسلم رہنماؤں نے کوئی در، خصوصی طور پر مسلمانوں کا، ایسا نہیں چھوڑا جہاں انہوں نے دستک نہیں دی، ہو بہو اس عورت کی طرح جس کی نوجوان بیٹی کو اچکے بدمعاش اٹھا کر لے گئے اور وہ گھر گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے پاگل ہو گئی۔

گھر پر دستک کوئی دیتا رہا ناحق آ کر
گھر میں موجود ہی کب تھے کہ باہر آتے

بدمعاش نے ایسی دہشت پھیلا رکھی ہے کہ اپنے گھر کا دروازہ بھی اپنی مرضی سے نہیں کھول سکتے۔ اسی دہشت میں وہ صومالیہ میں

حفاظتی کونسل کی ٹوپیاں پہنے بنتے بھوکے مسلمانوں کو سوڈان کے عیسائیوں کے عوض نیست و نابود کر رہا ہے ۱۹۰۰ء پر دسترس رکھنے کے سہرے کو نوچ نوچ کر پھینک رہے ہیں۔ کچل کچل کر اتنا کمزور کر رہے ہیں کہ مسلمان میں سکت ہی نہ رہے کہ یہ ۲۰۰۰ء میں داخل ہو سکے۔

ہاں! تو ایران میں امریکی سفارت خانہ کے عملے کی رہائی، ایران کے منجمد اثاثوں بمعہ ملک بدر شاہِ ایران کے اثاثوں کی دست بدست ادائیگی سے ہوئی ـــــ سوال اٹھتا ہے کہ دنیا کی اس پرم طاقت نے ایران پر حملہ کیوں نہ کیا، تو آج کے رُونما ہونے والے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ پرم طاقت اکیلی کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ بھیڑیوں کی طرح غول میں شکار کو اکیلے کر کے گھیرے میں لے کر حملہ کرنے کی جرأت کر سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایران کا مسئلہ اتنا شعلہ بار اور اس قدر حساس ہے کہ اس کو بیان کرنے سے قلم لرز اٹھتا ہے کوئی طاقت بھی ایران پر یلغار کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتی بلکہ وہ تو اس عجمی پودے کی آبیاری اور پاسبانی کرنے کے لئے خود اپنے مفادات کی خاطر مجبور ہیں۔

پراپیگنڈہ ایک ایسا حربہ ہے جو لوگوں کی مت مار کر رکھ دیتا ہے (اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی شخص کو بہت بڑے نقارے میں بند کر کے اوپر سے متواتر اور مسلسل پیٹا جائے تو سوچئے اس شخص کی کیا حالت ہو گی)۔ اس وقت پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر شیطان کا مکمل قبضہ ہے اور وہ جو چاہتا ہے ویسا ہی ہو رہا ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ (TODAY FICTION IS TOMORROW,S FACT) شیطان اس کو خوب استعمال کر رہا ہے۔ جہاں کہیں اس کے مفادات پنپ نہیں سکتے تو وہاں کے گرد و نواح کے علاقوں کے متعلق نشر ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ وہاں قحط اور خانہ جنگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں ـــ دریں اثنا ایسے ہی حالات پیدا کئے جا رہے ہوتے ہیں۔ جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو ٹی وی سکرین پر خشک سالی سے مردہ زمین اور فاقہ زدہ ہڈیوں کے پنجروں کا منظر بار بار نمودار ہوتا ہے۔ یو این او کا لباس پہن کر بھوکوں کو روٹی دینے اور جمہوریت کی بحالی یا کسی ملک بدر پریذیڈنٹ کی بحالی کا فریضہ ادا کرنے کے لئے ٹی وی کیمروں، صحافیوں، جی حضوریوں اور سامانِ ضربِ حرب سے لیس وہاں داخل ہو جاتا ہے۔ انہی کی غصب کی ہوئی دولت کے عوض تھوڑا سا سامان رسد پھینک دیا جاتا ہے جیسے نگران کتوں کو گوشت کے پارچوں سے مصروف کر کے غافل کر دیا جاتا ہے۔ جب کچھ مدت کے بعد شور اٹھتا ہے کہ یہاں سے نکلو! تو اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جب ہمارے OBJECTIVES & MISSIONS کی تکمیل ہو جائے گی تو ہم رخصت ہو جائیں گے۔

مسلم ممالک کے حکمران سیاسی اور مذہبی رہنما، اقتدار کی لذت میں اس قدر سرمست ہیں کہ انہیں ان تمام وارداتو کا علم تو ہے لیکن اپنے اقتدار کی کرسی کو قائم دائم رکھنے کے لئے انہوں نے کسی طاغوتی قوم کو صدیق اور کسی کو رفیق بنا رکھا ہے اور اپنی اپنی قوموں پر نہ تو اعتماد ہے اور نہ اعتبار۔ ان کی اکثریت کو دانستہ طور پر ناخواندہ رکھا ہوا ہے۔ حکمران ہوں یا سیاسی و مذہبی مداری، ان کو اگر چھینک بھی آتی ہے تو یہ صدیق و رفیق کے ملکوں کا رُخ کرتے ہیں جہاں سے ہدایات کی ادویات اور ایک

خطیر بنک اکاؤنٹ کی کاپی لے کر قوم کا درد بانٹنے کے لئے وطن واپس لوٹ آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کفار تمہارے دوست نہیں ہوسکتے؛

"یہ جو جماعتِ مومنین کو چھوڑ کر مخالفین کے ساتھ یارانہ گانٹھتے ہیں، تو کیا یہ ان کے پاس عزت اور قوت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں؟ اگر یہ اس خیال کے تحت ایسا کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ حقیقی عزت اور قوت صرف قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے مل سکتی ہے۔ اس کے سوا کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔" (۴/۱۳۹)

قرآنِ مجید نے کہا ہے کہ جب ابلیس کا مقابلہ ہو تو فوراً اپنے آپ کو تائید و نصرتِ خداوندی کی پناہ میں لے آیا کرو جو اس کے قوانین کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہی دراصل تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اور قوتیں صرف ایمان کی پختگی اور اعمالِ صالحہ سے بیدار ہوتی ہیں۔ اعمالِ صالحہ ایسی صلاحیتیں پیدا کرتے ہیں جس سے دنیا کی بڑی سے بڑی ابلیسی قوت بھی سامنے آئے تو اس کا کلیجہ پھٹ جائے ــــ قائد اعظمؒ نے ابلیسی قوت کو دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کیا اور ڈاکٹر مصدق نے بھی ایمان کی قوت سے ابلیت سے چھٹکارا حاصل کیا ــــ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ امام آیت اللہ خمینی ایمان کے دبدبہ و جلال سے کسی بھی ابلیسی قوت (چھوٹی یا بڑی) نے ملک بدر شاہِ ایران کو پناہ دینے کی جرأت نہیں کی بلکہ ان کے فتویٰ بھی آج تک برقرار ہے۔

بیسویں صدی میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں پر غفلت طاری ہوئی تو (BALANCE OF POWER) بگڑ گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد نظامِ سرمایہ داری اور نظامِ اشتراکیت میں رسہ کشی شروع ہوگئی جو اشتراکیت کے ۱۹۹۲ء میں زمین بوس ہونے پر منتج ہوئی۔ اور آج یہ ابلیسی نظام اپنے پورے دبدبہ و جلال سے پوری دنیا کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آج ہمیں پھر ایک مردِ مجاہد کی شدت سے ضرورت ہے جو ترازو کے خالی پلڑے کو جھکا کر قوت کے توازن کو برقرار کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ؛

"فرق یہ ہے کہ خارجی کائنات میں خدا کے قوانین از خود کارفرما ہیں اور انسانی دنیا میں انہیں نافذ کرنے کے لئے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے ہم نے، اے جماعتِ مومنین! تمہیں اٹھا کھڑا کیا ہے تاکہ تم ایسا نظام قائم کرو جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم ان باتوں کا حکم دو جسے قرآن صحیح تسلیم کرتا ہے اور ان سے روکو جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں ــــ لیکن تم دوسروں سے یہ کچھ اسی صورت میں کہہ سکتے ہو جب تم خود ان قوانین کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھو۔

اگر یہ اہلِ کتاب بھی اس نظام کی صداقت پر ایمان لا کر اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اس پر ایمان لائے ہیں لیکن اکثریت ان کی ہے

ہے جو غلط راستوں پر چل رہے ہیں (اور اس نظام کی سخت مخالفت کرتے ہیں)۔" (۳/۱۰۹)

قرآن اہل کتاب کے متعلق بتاتا ہے کہ "ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائے ہیں۔" کچھ یورپی اقوام نے نظامِ ربوبیت قائم تو کیا ہے جس میں معاشی و معاشرتی تحفظ موجود ہے۔ خواندگی صد فی صد ہے اور مذہبی پیشوائیت کا کوئی عمل دخل نہیں ـــــ ۲۰۰۰ء کا تقاضہ ہے کہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے مذہبی پیشوا (جو خود کو دینی علماء کہتے ہیں) سیاسی مدبرین اور اہل علم و دانش خود اپنا احتساب کریں اور یہ دیکھیں کہ ان کے ایمان میں کونسی کجی ہے جس کی بدولت ان کے اعمال اعمالِ صالحہ نہیں ہو رہے ـــــ اگر وہ خلوصِ قلب سے قرآنِ مجید پر ایمان رکھتے ہیں، تو نظامِ ربوبیت کے نفاذ میں انہیں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے کسی سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ جنرل ضیاء مرحوم نے کیا اور اب قاضی صاحب نے کیا ـــــ افرادِ امتِ پاکستانیہ کو بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی معاشی و معاشرتی تحفظ کی ضمانت مل جائے تو یہ فرزانے کائنات کی پنہائیاں کھنگال ڈالیں گے ـــــ جس سے قوت کا توازن خود بخود ان کی دسترس میں ہوگا ـــــ خدا کرے یہ امت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کامیاب و کامران ہو۔ کیونکہ اس کے بعد اس پر امتِ وسطےٰ کی گراں قدر ذمہ داری کا فریضہ عائد ہونا ہے۔

"تن بہ تقدیر" ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

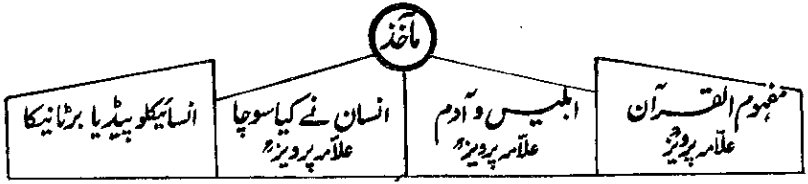

ملک حنیف وجدانی

اکیسویں صدی کے تقاضے اور قرآن

نظریہ : قانون سازی اور قوتِ نافذہ

(قسط نمبر ۵)

۶۔ معاشیات کی ایک دُنبی والا

انسانی دنیا میں استحصال کی اتنی شکلیں ہیں کہ اگر ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ظالم کا مُنہ پوری طرح نکھر اور ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ البتہ قرآنِ کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ظالم کی ایک ادا کو سامنے لاکر اس کی ظالمانہ نیت کو اس سے کہیں زیادہ گہرائی اور گیرائی سے یوں عیاں کر دیتا ہے کہ واقعی اس سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی مملکت میں مہذّب اور وحشی قبائل آباد تھے۔ بعض تو آدابِ ملاقات اور معاشرتی اوقات تک سے ناآشنا تھے اور ابھی زیرِ تربیت تھے۔ اسی اثنا میں ایک واقعہ پیش آگیا اور قرآنِ کریم میں ہے۔

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ (۳۸/۲۳)

یہ میرا بھائی ہے (اب دیکھو کہ یہ بھائی ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا کرتا ہے) اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اس لئے یہ بڑا خوشحال ہے اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے جو میری معاش کا واحد سہارا ہے (اب بجائے اس کے کہ یہ اپنے غریب بھائی کی کچھ مدد کرے) مجھ سے کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دو۔ (چونکہ امیر آدمی ہے اور صاحبِ اثر ہے۔ اس لئے) باتوں میں مجھے دبا لیتا ہے (اور دوسرے لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ یہ ہے میرے اس بھائی کا رویّہ! اب بتاؤ کہ اس کا یہ مطالبہ جائز ہے یا ناجائز)۔

(مفہوم القرآن)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ..... (۳۸/۲۴)

داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اس شخص کا یہ مطالبہ کہ اپنی ننانوے دنبیوں کو سو بنالے اور تیرے پاس ایک دنبی بھی نہ رہے سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے۔" (مفہوم القرآن)

وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ ..... (۳۸/۲۴)

(داؤد علیہ السلام نے جب اس معاملہ کی گہرائی پر غور کیا تو یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آگئی کہ معاملہ صرف ان دنبیوں کا نہیں، یہ اس غلط معاشی نظام کا سوال ہے جس میں بڑا سرمایہ چھوٹے سرمایہ کو اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور دن بدن معاشرہ کے ان دو طبقات میں بُعد اور زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ اس کا فریضہ ہے کہ اس غلط معاشی نظام کو صحیح خطوط پر متشکل کرے)۔ (مفہوم القرآن)

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ (۳۸/۲۴)

کام بڑا مشکل تھا اس لئے اس نے اپنے ربّ سے سامانِ حفاظت طلب کیا۔ ایسی بلند ہمت جس سے وہ تمام مخالفتوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق معاشرہ کی اصلاح کر کے رہے گا۔" (مفہوم القرآن)

قرآن کریم کی ایک اور آیہ مبارکہ بھی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے۔

وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷)

اور اس کا روایتی ترجمہ کیا جاتا ہے۔" برتنے کی چیزیں عاریتہً نہیں دیتے۔

اور تفاسیر میں گھروں کے اندر استعمال کی جانے والی اشیاء کا ذکر ہے۔ مکان، زمین وغیرہ کا اس میں ذکر نہیں۔ ذکر ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ کیونکہ ملوکیت میں بقول اقبالؒ۔

دیہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

کا چلن عام ہو رہا تھا۔ جاگیرداروں کے زیردست یا ماتحت تنخواہ دار مولوی صاحبان کی کیا مجال کہ وہ زمین کو اللہ کی زمین کہہ سکیں۔ پٹوار خانے میں مالکان اعلیٰ انسان ہوتے ہیں (معاذ اللہ) ارضِ ملک خداست کا تصور ہنوز نگاہوں سے اوجھل ہے اگر وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ

کی جھلک دیکھنی ہو تو اس معاشرے میں چلے جائیے جہاں مزارع اور مالک کا کھیل ہنوز جاری ہے۔ آپ کو بڑے دردناک مناظر، لطیفے اور مزاحیہ پارٹ دیکھنے کا موقع ملے گا اور آپ محسوس کریں گے کہ وہاں بھی ایک دنبی والا اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتا ہے۔

قرآنی احباب کے اتفاق و اتحاد، مسلسل محنت اور ہمہ گیر اخلاقِ کریمانہ سے ہم نے اکیسویں صدی میں یوں داخل

ہونا ہے کہ اس دَور کو نظامِ ربوبیت کی ایک جھلک بھی دکھا سکیں۔ البتہ اس عبوری دَور کے لئے ہمیں "ایک دنبی والے" کو قانونی تحفظ مہیا کرنا پڑے گا۔ پہلے میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ایک گھرانے کا واحد کمانے والا..... ملازم تھا۔ یعنی ایک دنبی والا تھا۔ فریقِ مخالف اس کے پیچھے پڑ گیا۔ اس کی جگہ اپنا آدمی بھرتی کرا دیا اور اس کا تبادلہ گھر سے ۵۰۰ میل دُور کرا دیا۔ اس پر مجبور ہو کر اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اور بعد کی شنید یہ ہے کہ وہ ناجائز کاروبار سمگلنگ کرتا ہوا پایا گیا۔ اگر اس کی ملازمت برقرار رہتی تو شاید یہ المیہ نہ ہوتا۔ لہٰذا ملازمت میں تبادلہ پسند کی جگہ پر ہونا چاہیئے۔

۲۔ جاگیرداروں کے ایک گڑھ میں ایک قطعہ اراضی ایک غریب آدمی کا تھا۔ اس نے مکان بنایا اور باغیچہ لگایا لیکن حالات نے اس ایک دنبی والے کو اس حد تک مجبور کر دیا کہ اس نے وہ مکان اور قطعہ اراضی ایک جاگیردار یعنی ننانوے دنبیوں والے کے حوالے کر دیا۔ اس پر اس کے ایک رشتہ دار نے شفعہ کر دیا اور محکمہ سے دخل دلانے کا مطالبہ کیا۔ فیصلہ اس کے حق میں تو ہو گیا۔ لیکن تادمِ مرگ محکمہ مال اس کو دخل نہ دلا سکا کیونکہ جاگیردار طاقت ور تھا یعنی غریب کا تحفظِ قانونی لازمی ہونا چاہیئے۔

۳۔ انگریز کی مرضی سے اس کے وفاداروں کے تحفظ میں زمین پر لکیریں لگا کر ملکیتی رقبہ جات تقسیم کئے گئے اور کچھ رقبہ جات بطور مفاداتِ مشترکہ مال مویشی کی چراگاہوں کے لئے مخصوص کر دئے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ رقبہ جات بطور مفاداتِ مشترکہ سب نے استعمال کرنا تھے اور سب نے استعمال کئے۔ موجودہ پراپرٹی ڈیلر کی ملک گیر ہوس زر پرستی و جاگیر خریدی کی رَو میں یہ مشترکہ رقبہ جات بھی فروخت ہونے لگے۔ بیرونی کروڑ پتی افراد نے یہ رقبہ جات مع مالکانہ رقبہ جات خرید لئے۔ چراگاہیں مفقود ہو گئیں۔ مال مویشی گھٹ رہے ہیں۔ کروڑ پتی خریدار افراد کو پرواہ نہیں کہ وہاں کچھ پیدا ہوتا ہے یا نہ ہو۔ چنانچہ جہاں سرسبز و لہلہاتے کھیت تھے وہاں ویرانی ہے۔ کچھ لوگ تاروں کے باڑ لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔ اس صورتحال سے دو المیے پیدا ہوئے۔

ا۔ جہاں سینکڑوں ہزاروں من غلّہ پیدا ہوتا تھا وہاں ویرانی ہے۔ مستقبل میں ہاؤسنگ کا کاروبار ہو گا۔ ایک روپیہ خرچ کرنے والا ہزار ضرور کمائے گا۔

ب۔ ان رقبہ جات کی تقسیم و فروخت کے دوران مقامی افراد بے زمین و بے گھر کو نظر انداز کیا گیا۔ اگر ان کے مویشی پشتہا پشت سے اُن میں چَر چُگ سکتے تھے تو ان مفاداتِ مشترکہ کے رقبہ جات کی تقسیم و فروخت کے وقت ان لوگوں کو ضرور حق ملنا چاہیئے تھا جو کہ نہیں دیا گیا اور سب کچھ ننانوے دنبیوں والے ملی بھگت سے لے گئے۔

لہٰذا اس المیہ کی صورت میں ایسی قانون سازی ضروری ہو گئی ہے جس سے وہاں کے بے زمین اور بے گھر افراد کو آبائی حقوق کے تسلسل میں ایک دنبی کا تحفظ تو حاصل ہو جائے۔ اس سلسلے میں متعلقہ تحصیلدار کو حقوق کے تحفظ کا ذمہ دار

قرار دیا جائے بصورتِ دیگر اس کے خلاف اپیل کی جا سکے۔

یہ چند مثالیں معاشرے کے ایسے روپ سامنے لا رہی ہیں جن میں ایک ذہنی والا اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتا ہے اور ان طبقات کی بالادستی میں وہی پوزیشن رکھتا ہے جو قرآن کریم میں ایک ظالمانہ کردار کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ ایک ذہنی والا ہر حقدار " وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ " سے متاثر ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے۔ تم مالک نہیں لہٰذا مشترکہ رقبہ جات سے تمہیں حصّہ نہیں مل سکتا۔ تم فلاں فلاں پتی یا طرف سے تعلق نہیں رکھتے۔ ارے یہاں تو تمہارا نام ہی نہیں۔ یہ ہماری مہربانی ہے کہ تم یہاں رہتے ہو ورنہ قانوناً تمہارا کوئی حق نہیں۔ تمہیں بے دخل کرایا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُس اللہ کی زمین پر اس کے بندے کی حالت ہے جسے روشنی، ہوا اور پانی کی طرح سب کے لئے پیدا کیا گیا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

رزق و گور از دے بگیر او را مگیر

بلکہ اس سے بہت بلند و بالا حقیقت کو یوں سامنے لاتے ہیں۔

باطنِ اَلْاَرْضَ لِلّٰہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

بہرحال نظامِ ربوبیت کے قیام تک اس عبوری دَور کے لئے ایسی قانون سازی کی اشد ضرورت ہے تاکہ ایک ذہنی والا اپنے آپ کو قانونی طور پر محفوظ سمجھے اور اس پر کوئی زیادتی نہ کی جا سکے۔ (جاری ہے)

مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی بلند پایہ تصنیف

برقِ طور

کا نیا ایڈیشن چھپ گیا ہے

یہ مشتمل ہے آویزش صاحبِ ضربِ کلیم حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور بنی اسرائیل کی داستانِ عروج و زوال پر۔ اس میں ان کے واقعات ہی درج نہیں بلکہ اس ضمن میں نہایت اہم موضوع بھی سامنے آ گئے ہیں۔ مثلاً عصائے موسیٰؑ، یدِ بیضا، ساحرینِ دربارِ فرعون کی کرشمہ سازیاں اور ان کی حقیقت، سمندر کا پھٹنا اور چشموں کا پھوٹنا، من وسلویٰ عطا ہونا، حضرت موسیٰؑ کا ایک مردِ بزرگ سے ملنا۔ ان تمام مباحث پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور داستانِ بنی اسرائیل کے سلسلہ میں قوموں کے عروج و زوال کے ابدی قوانین سامنے آ گئے ہیں۔

کتاب بڑے سائز کے عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور سٹوڈنٹ ایڈیشن میں بھی دستیاب ہے۔

(طلوعِ اسلام ٹرسٹ)

شعلۂ مستور

حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوائفِ حیات۔ کیا حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے، کیا وہ زندہ آسمان پر تشریف فرما ہیں، کیا وہ پھر سے زمین پر اتریں گے؟ واقعۂ تصلیب کی حقیقت کیا ہے۔ قرآنِ کریم اور عصرِ حاضر کے محققین کے نزدیک بصیرت افروز حقائق، حقیقت کشا معلومات سے پُر علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تصنیف۔

منیجر طلوعِ اسلام ٹرسٹ

نقد و نظر

نام کتاب : جنس اور زوجیت مصنف : (حافظ) محمد یعقوب تاجیک
صفحات : ۸۰ قیمت : ۴۲ روپے
ملنے کا پتہ : A-I انگوری باغ سکیم۔ شالامار۔ لاہور۔

○

جنس اور زوجیت کے موضوع پر قرآنی نقطہ نگاہ سے لکھی جانے والی یہ غالباً پہلی کتاب ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو مصنف کی اس رائے سے اختلاف کی گنجائش نہیں کہ

___ ذکا و اعلیٰ درجے کی ذہنی قابلیت کے باوجود اخلاقیات کی وہ شقیں جن کی حیثیت بنیادی ہے اور جو اسلامی معاشرت میں قاعدے کے طور پر تسلیم کی جارہی تھیں اب کالعدم قرار دی جارہی ہیں۔

___ فحاشی اور جنسی آوارگی کے عمل کو جس حد تک فروغ ملا ہے اس سے کہیں کم مقدس آیات کو جن میں جنسی واقفیت اور پیدائشی حالتوں کا ذکر ہے قابلِ تعلیم سمجھا گیا ہے۔

___ وعظ کہنے والے اپنے خطبہ گاہوں کی ایسی حکایات سے دلچسپی رکھنے لگے ہیں جن کا ادراک اور علمی تحقیق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

___ انسانی آبادیوں میں افزائش نسل ہو رہی ہے مگر مکینوں کی وہ عاجزی جو ناروا جنسی ذوق اور بیماریوں کی وجہ سے بڑھ رہی ہے دکھائی نہیں دیتی اور

___ پودوں میں پھول آنے کا موسم شروع بھی نہیں ہوتا کہ چھیڑ خوانی والے آوارد ہوتے ہیں

کتاب میں مصنف نے ملک کے نوجوانوں کو جہاں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کے اندر اور باہر جنس اور زوجیت کے معاملات میں لوگوں نے کیا روش اختیار کر رکھی ہے، وہاں AID یعنی

ACQUIRED IMMUNE DEFICIENCY SYNDROME

HUMAN IMMUNO DEFICIENCY) HIV

VIRUS)

جیسے لاعلاج مرض اور جیسے موزی جرثومے پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

— "بے راہ روی کا تعلق چونکہ انسانی ذات سے ہے اور انسان خطۂ ارض پر ہر جگہ موجود ہے اور اس کے تعلقات بین الاقوامی سطح کے ہیں، اس واسطے کوئی دستور، کوئی ضابطہ جو انسان کی فلاح کے لئے ہو سکتا ہے یا آسکتا ہے تو وہ صرف ایک ہستی سے آسکتا ہے اور یہ ایک ہستی اللہ کی ذات ہے اور یہی وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے بنی نوع انسان کی جانب قرآن بھیجا ہے۔

— اور قرآن نے کھلم کھلا اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ ناجائز جنسی تعلقات بدترین قسم کی بدکاری ہی نہیں مجرمانہ فعل ہے۔

— مردانہ ہم جنسی جاہل قوم کا شیوہ ہے۔

فحاشی، عریانی، شہوت انگیزی پیدا کرتی ہے۔ اس سے انسان کی اخلاقی قوت ختم ہو جاتی ہے۔

— قرآن کی تعلیمات (عورت اور مرد کے مذہبی عقیدے سے چل کر شادی، بیاہ اور تعلقات اور پھر بے حیائی اور زناکاری سے چل کر تباہی کے اسباب تک) سے چونکہ انسان کو ہر طرح کی رہنمائی ملتی ہے۔ اس لئے قرآنِ حکیم کی وہ آیات جن سے فواحش، جنسی اختلاط، زنا، بے حیائی، عصمت فروشی پر ہدایات موجود ہیں، کتاب میں درج کر دی گئی ہیں۔

مختصر نویسی کا حسن، جو مصنف کا طرۂ امتیاز ہے، اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ مجموعی طور پر سیکس (SEX) کے موضوع پر یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے چھپ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

کتاب کا متن مصنف کے اپنے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس سے طباعت بھی متاثر ہوئی ہے۔ ہمارے خیال میں اس قسم کی عمدہ اور معلومات افزا کتاب کمپیوٹر پر کمپوز ہونا چاہیئے تھی۔ کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی تو ممکن ہے دوسرے ایڈیشن میں یہ کمی پوری کر دی جائے۔

حقائق و عبر

بے نظیر کا اسلام

ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور اپنی ۱۲ نومبر ۹۳ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے۔

"۵ نومبر کے اخبارات میں وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو کا ایک مضحکہ خیز بیان شائع ہوا جس میں موصوفہ نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ فرمایا کہ "ہم ملک میں حقیقی اسلامی نظام نافذ کرینگے" ہم نے جب ان کے اس بیان کا گہرائی میں جاکر تجزیہ کیا تو پتہ یہ چلا کہ موصوفہ اسلامی نظام اور حقیقی اسلامی نظام میں فرق کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی نظام کا مطلب وہ نظام ہے جس کے لئے دینی جماعتیں اور علماء کرام جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اس نظام میں عورت کی سربراہی حرام ہے۔ عورت پر پردہ فرض ہے اور اس نظام میں معاشرے کا نظام برقرار رکھنے کے لئے حدود کا نفاذ کیا جاتا ہے۔

جبکہ حقیقی اسلامی نظام سے موصوفہ کی مراد ایسا خود ساختہ اسلام ہے جس میں عورت کی حکمرانی جائز ہے۔ عورت کے لئے بے پردگی جائز ہے، چار دیواری عورت کے لئے قید خانہ ہے اور بے نظیر کے مجوزہ اسلامی نظام میں اللہ اور رسولؐ کی نازل کردہ حدود کو وحشیانہ اور ظالمانہ سمجھا جاتا ہے۔

لگتا ہے موصوفہ نے اس بات کا احساس کر لیا ہے کہ پاکستانی عوام اسلام پسند ہیں اور وہ لادین قوتوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ پاکستانی عوام کے دین پسندی کے جذبے کی تسکین کے لئے موصوفہ نے مذکورہ بیان جاری کیا۔

لیکن کیا انہوں نے پاکستان کی مسلمان عوام کو اس قدر بیوقوف سمجھا ہے کہ

وہ کسی لادینی عورت سے اسلامی نظام کے نفاذ کی توقع کرلیں گے۔"

طلوعِ اسلام

ہمیں اس سے تو واسطہ نہیں کہ محترمہ بے نظیر صاحبہ کے ذہن میں حقیقی اسلامی نظام کا تصور کیا ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں علمائے اہلِ حدیث سے کہ کیا ان کے اسلامی نظام کی مبلغ اساس یہی ہے کہ "سربراہ مرد ہو" عورت پردہ کرے اور حدود نافذ کردی جائیں۔ کیا ایسا کر لینے سے اسلامی نظام نافذ ہو جائے گا۔ کیا اس سے پہلے سربراہ مرد نہ تھا۔ کیا حدود نافذ نہ تھیں اور کیا خواتین کی بیشتر آبادی پردہ نہ کرتی تھی۔ اگر ایسا تھا اور یقیناً تھا تو کیا آپ کے نزدیک وہ نظام اسلامی نظام تھا؟

ہاں، البتہ یہ بات درست ہے کہ پاکستان کے عوام کو مزید بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا۔ عوام بالفعل اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں۔

اطاعتِ رسولؐ

"فقہا کے قوانین سازی کے حق کا سوال ہمارے ہاں شروع سے متنازعہ فیہ چلا آتا ہے۔ اہلحدیث حضرات ان کے حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن جہاں تک اطاعتِ رسولؐ کا تعلق ہے۔ اسے (بالواسطہ یا بلاواسطہ) متفق علیہ کہا جاتا ہے اور یہی وہ سوال ہے جس کے صحیح طور پر نہ سمجھنے سے امت میں اس قدر اختلافات، تفرقات اور الجھاؤ پیدا ہوتے چلے آرہے اور کوئی حکومت کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں کرسکتی جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کرلیں۔ اگر اس بنیادی نکتہ کو قرآنی روشنی میں سمجھ لیا جائے تو یہ ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

- سب سے پہلے تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ جب خدا نے کہا کہ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا تو اس میں کسی کی بھی استثنیٰ نہیں کی گئی۔ اس کے معنی ہیں کہ قانون سازی (حکومت) کا حق، اور تو اور رسولؐ کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اس کی وضاحت آیت (۳/۷۸) میں کردی جہاں کہا کہ نبی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے احکام کا محکوم بنائے۔
- حضورؐ کو خدا کا حکم تھا کہ آپ لوگوں سے احکامِ خداوندی کی اطاعت کرائیں۔ فاحکم بینھم بما انزل اللہ (۵/۴۸)۔ چنانچہ حضورؐ دوسروں سے بھی احکامِ خداوندی کی اطاعت کراتے تھے اور خود بھی ان ہی احکام کا اتباع کرتے تھے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰى اِلَيَّ .... (۶/۵۰)

مقامِ اطمینان ہے کہ خود اہلِ حدیث حضرات بھی اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ رسولؐ کو بھی نہیں۔

ی معلوم ہوتا ہے کہ "اطاعت رسول" کے سلسلہ میں ذرا وضاحت سے بتایا جائے۔ اس باب میں دو آیتیں غور طلب ہیں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) وَمَآ اَرسلنا من رسولٍ الّا لیطاع باذن اللّٰہ ..... (۴/۶۴)

رسولوں کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ حکمِ خداوندی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔

(۲) من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ..... (۴/۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

اسلام کو اگر ایک مذہب (ہر فرد کا اپنا اپنا معاملہ) سمجھا جائے تو ان آیات سے ذہن میں الجھن پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے (نظر بظاہر) خدا اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور سامنے آتا ہے جو توحید کے خلاف ہے۔ لیکن اسلام، مذہب نہیں۔ وہ نظامِ حکومت ہے اور نظامِ حکومت کی روشنی میں ان (اور ان جیسی دیگر) آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی نہ ہی کوئی الجھن باقی رہتی ہے ——————

مثال کے طور پر کسی آئینی حکومت میں سڑک کے چوراہے پر کھڑا سپاہی جب کسی غلط راہ رو کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے تو وہ اس سے اپنے حکم کی اطاعت نہیں کراتا۔ وہ اس حکم کی اطاعت کراتا ہے جسے نافذ کرنے کے لئے اسے وہاں تعینات کیا گیا ہے۔ اسی مثال کو اوپر تک لے جایئے۔ سپاہی سے لے کر آئی جی پولیس تک، سب قوانین مملکت کی تعمیل کرانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ گورنر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صدر مملکت کا فریضہ بھی قانونِ مملکت کی تنفیذ ہوتا ہے۔ وہ بھی اہلِ مملکت سے قانون کی اطاعت کراتا ہے۔ اپنا حکم نہیں منواتا۔ اور وہ قانون بھی خود اس کا وضع کردہ نہیں ہوتا۔ قانون ساز اتھارٹی کا مرتب کردہ ہوتا ہے —————— انسانی دنیا میں نظامِ خداوندی یہ ہے کہ لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ یہ قوانین اس کتاب میں منضبط ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ تو اپنی اطاعت نہیں کرا سکتے۔ ان کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجتا ہے۔ رسول کا مقصد لوگوں سے کتابِ خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا تھا۔ اپنی اطاعت نہیں۔ یہ ہے مفہوم مندرجہ بالا آیت (۴/۶۴) کا

جس میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنی اطاعت رسولوں کے ذریعے کرتا ہے۔

جو شخص ٹریفک کے سپاہی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے وہ اس سپاہی کی اطاعت نہیں کرتا وہ درحقیقت اس اتھارٹی کی اطاعت کرتا ہے جس کی اطاعت کا حکم وہ سپاہی دیتا ہے۔ اس سے اس آیہ جلیلہ کا مفہوم (بلا تمثیل) واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی (۴/۸۰)۔ اسی نظام اطاعت کو حضور نبی اکرمؐ نے ان چند جامع الفاظ میں سمو کر فرما دیا کہ

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من اطاع امیری فقد اطاعنی۔
(بخاری۔ کتاب الاحکام)

جس نے میری اطاعت کی اس نے (درحقیقت میری نہیں بلکہ) اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے (اس نے امیر کی نہیں بلکہ درحقیقت) میری اطاعت کی۔

ایک آئینی اور نظامی حکومت میں اطاعتوں کا یہی سلسلہ نیچے سے اوپر تک مسلسل چلتا ہے۔ لیکن یہ اطاعت ان کڑیوں (عمّالِ حکومت) میں سے کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ سب قانون کی اطاعت کرتے ہیں۔ حکومتِ خداوندی میں یہ قانون خدا کا عطا فرمودہ ہوتا ہے، اس لئے یہ اطاعت آخرالامر خود خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس باب میں اور تو اور خود حضور نبی اکرمؐ بھی اپنے آپ کو خدا کا عبد (محکوم) قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر (بفرضِ محال) مجھ سے بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو مجھ سے بھی سخت مواخذہ ہوگا۔

طلوعِ اسلام

یہ اقتباس نہ طلوعِ اسلام سے ہے نہ غلام احمد پرویزؒ کی کسی کتاب سے۔ یہ قسط وار شائع ہونے والے اس مضمون کا حصہ ہے جو حیدرآباد بھارت سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ جریدے "حق و باطل" کی یکم نومبر ۹۳ء کی اشاعت میں شامل ہے۔

علی محمد چدھڑ

حقیقت خرافات میں کھو گئی

دینِ خداوندی کی بنیاد قرآن حکیم۔ جسے ہمارے پروردگار نے اپنے آخری رسولؐ کی طرف تمام بنی نوعِ انسان کیلئے ضابطۂ حیات بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی کچھ خصوصیات جو خدا نے بیان فرمائی ہیں، حسب ذیل ہیں:

آسان۔ مدلّل۔ یقینی۔ بے مثل۔ لامبدّل۔ محفوظ اور مکمّل ہے۔ فکر و عمل کا محرّک ہے۔ خود روشنی ہے اور اس کی وضاحت کیلئے خارجی سہاروں کی ضرورت نہیں، تمام اختلافات کو رفع کرنے کا ذریعہ ہے۔

ظاہر ہے جس قوم کو ایسی خصوصیات کی کتاب میسّر ہو وہ یقیناً بنی نوعِ انسان کو ایک مثالی معاشرہ دیکر دنیا کو جنّت بنا سکتی ہے اور ایک وقت میں ہمارے پیغمبرؐ اسلام اور خلفائے راشدینؓ نے ایسا معاشرہ بنا کر بھی دکھا دیا تھا۔ یہ دَور ہر قسم کے فسطائی نظام (ملوکیّت، سرمایہ داری، مذہبی پیشوائیت) سے پاک تھا اور اُس مثالی دَور میں کوئی فرد نہ کسی دوسرے کا محکوم اور نہ محتاج تھا۔ حکومت قانونِ خداوندی کی تھی جس سے کوئی شخص بھی بالا نہیں تھا۔ عدل و احسان کی عام کارفرمائی تھی اور وافر رزق نے تمام نعمتیں میسّر کر رکھی تھیں۔ ہر قسم کے اختلاف و نزاع سے یہ پاک معاشرہ ایک انعام تھا جو بنی نوعِ انسان کو نظامِ خداوندی قبول کرنے کے عوض نصیب ہوا۔

جب اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (۲/۲۰۸) پر عمل ہوا تو ــــــ نتیجے کے طور پر:

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۶۲) کا سماں پیدا ہو گیا۔ لیکن عدل و آزادی اور حریّت کا یہ دَور دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ گاڑی پٹڑی سے اُتر گئی۔ وجوہات تفصیل طلب ہیں۔ آگے بڑھیئے! اسی فسطائی نظام نے ملوکیّت اور سرمایہ داری کے ساتھ دوبارہ سر اٹھا لیا۔ مفاد پرست گروہ نے اقتدار کی کرسیوں اور رزق کے سرچشموں پر قبضہ کر لیا۔ مذہبی پیشوائیت نے اس خلافِ اسلام

کو عین اسلام ثابت کرنے میں شرعی سندات مہیا کر دیں اور آسمان کی آنکھ نے یہ حیران کن تماشا بھی دیکھ لیا کہ ؎

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

اس کے بعد پھر وہی کچھ ہوا جو آمرِ مطلق اپنی مفاد پرستیوں اور اقتدار کے لئے کیا کرتے ہیں۔ فقہ اور روایات کا دَور شروع ہو گیا۔ ظن و قیاس پر مبنی انسانوں نے جو ضوابط مرتب کئے۔ دین کے نام پر پیش کر دیئے گئے اور آج تک وہی ضوابط اسلام کے لیبل کے ساتھ مقدس خیال کئے جاتے ہیں۔ قرآن تلاوت کے لئے رہ گیا یا پھر مُردوں کو ثواب پہنچانے کیلئے۔ گویا زندہ انسانوں کیلئے قرآن کچھ نہیں کر سکتا۔ اور یہی ہماری بدنصیبی ہے کہ اتنی عظیم کتاب کے مقصد سے ہی ہم واقف نہیں ہو سکے۔

علامہ اقبالؒ ہم ہی سے مخاطب ہیں کہ:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن!

اسی قرآن کے ہم پر کچھ کم احسانات ہیں کہ جب ہم اسے لیکر اُٹھے تو روم اور ایران کی سلطنتیں ہمارے قدموں میں آگئیں اور جب فراموش کر بیٹھے تو ہزار سال سے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر قرآن کی سچائی کے لئے اور کیا تاریخی شہادت ہو سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے عروج کا وقت قرآنی PERIOD ہے اور باقی جو ہزار سال ذلت کا دَور ہے اُسے ہم آسانی سے فقہ اور روایات کے نام منسوب کر سکتے ہیں۔

کاش پیغمبرِ اسلام کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی:

"اے بارِ الٰہا! یہ ہے میری وہ قوم جس نے تیرے قرآن کو مہجور بنا کر رکھ دیا تھا..... (۲۵/۳۰)"

آج جب دنیا اپنی راہنمائی کے لئے ہم سے ابدی صداقتوں کا مطالبہ کرتی ہے تو ہم اُسے قرآنی کاغذوں میں روایات اور فقہ کے نسخے لپیٹ دیتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ:

تمہاری موجودہ روش یہ ہے کہ کہیں تم حقیقت پر یکسر پردہ پوشی کر کے اسے لوگوں کے سامنے آنے ہی نہیں دیتے (۲/۵۹) اور کہیں (وحی کے ساتھ اپنی خودساختہ شریعت کو ملا کر) حق اور باطل کو اس طرح خلط ملط کر دیتے ہو کہ باطل حق بن کر دکھائی دیتا ہے

اور تم یہ سب کچھ اپنے مفاد کی خاطر دیدہ دانستہ کرتے ہو گے (۲/۴۲)

اقبالؒ نے قرآن کے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

ع حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

میرے عزیز دوستو اور بھائیو! اگر قرآن پر خدا کا پہرہ نہ ہوتا تو سازشی اس کے الفاظ بھی بدل دیتے۔ اب الفاظ تو وہی ہیں لیکن مفہوم بدل دیا گیا ہے۔ قُلِ الْعَفْوَ کا ابدی اعلان تو موجود ہے لیکن زکواۃ کے روائتی نعرہ نے اس کو مہجور بنا دیا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کا سنہری کلیہ تقدیر کی پڑیا میں بیٹ دیا گیا ہے۔ مکافاتِ عمل جس کے لئے تمام سلسلۂ کائنات رواں ہے۔ اور جو دین کی بنیاد ہے جب بخشش اور شفاعت کے سامنے آتا ہے تو قدرت کا یہ سب سے اہم قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ ایک عہد ہے جو مومن اپنے اللّٰہ کے ساتھ کرتا ہے۔ توحید و رسالت کا ایک سمندر ہے جو چند الفاظ کے کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن مفہوم اور مقصد سے قطعِ نظر ہم اسے محض پڑھکر جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ:

ع صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نقطہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اِلٰہ میں ہے

عزیزانِ من! حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے خلاف یہ ساری محاذ آرائی صرف روائتی مِثْلَهٗ مَعَهٗ کے حوالے سے کی جاتی ہے اور جب دین مذہب میں بدل جائے تو جیب خالی ہو جاتی ہے کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ عام ارکانِ اسلام بے مقصد اور بے رُوح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عبادت پرستش بن جاتی ہے۔ سود منافع کا نام اختیار کر لیتا ہے۔ فلاح کی جگہ نجات لے لیتی ہے۔ چند محسوس حرکات (رکوع و سجود) ہی کو صلواۃ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اختلافِ امت رحمت بن جاتا ہے اور خدا کی وحی جلی اور خفی کی خود ساختہ اقسام میں بٹ جاتی ہے۔ توبہ کا مقصد محض زبانی توبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما کی بجائے اس کی نفی پر زور دیا جاتا ہے۔ محکومی، محتاجی اور ذلت درجات کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ یہ مذہب ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں جن کی بدولت آمرِ مطلق اور شہنشاہ ظلِ الٰہی کا بھیس بدل لیتا ہے۔ غرضیکہ کہاں تک بیان کروں

ص سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

ہماری کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے نہ دنیا کی اور نہ آخرت کی۔ جدھر دیکھئے توہم پرستی پر مبنی، داستانیں اور بے مقصد رسوم بکھری پڑی ہیں۔ اسلاف سے ہمیں بہت کچھ ملا ہے لیکن اندھی عقیدت غور

کی اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ ہم کہتے اور کرتے ہیں اس کا مطلب اور مقصد نہیں جانتے۔ غور و فکر ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ ہیں۔ کبھی نہیں سوچتے کہ ان رسمی عبادات سے مطلوبہ نتائج کیوں پیدا نہیں ہوتے۔ ہماری صلوٰۃ فحشاء و منکرات سے کیوں نہیں روکتی۔ ہمارے حج کیوں بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور الحاج بن کر بھی ہماری شخصیت کیوں تبدیل نہیں ہوتی۔ کیا یہ سب کچھ ہم نمائشی طور پر کر رہے ہیں۔

خدارا سوچیے! ذرا رُک جائیے! اور بتائیے کہ ہر سال حج کے ریکارڈ اور عظیم اجتماعات پر امّتِ مسلمہ کے کون کون سے مسائل زیرِ بحث آتے ہیں اور کیا فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ اجتماع، اتحادِ ملی کا کہاں تک مظہر ہوتا ہے۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماعات سے ہم کیا کچھ لے کر اٹھتے ہیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو قرآن کا فیصلہ سُن لو! ارشادِ خداوندی ہے:

"جسے ہلاک ہونا ہے دلیل و برہان کی رُو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل و برہان ہی کی رُو سے زندہ رہے"

یہی وہ اصول ہے جس کی شہادت کیلئے قرآنِ کریم نے اقوامِ سابقہ کی داستانیں بیان کرتے ہوئے بتایا ہے:

"حق و صداقت کی حامل قوم کس طرح غالب و کامران رہتی ہے اور باطل نظام کی علمبردار قومیں اس طرح تباہ و برباد ہو جاتی ہیں کہ اس کے بعد ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات ان کی نوحہ گری کیلئے باقی رہ جاتے ہیں۔ ..... (۸۵-۸۲/۴۰)"

تو پیارے دوستو! اسلام ایک دین ہے جسے مذہب کی جگہ رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ ہزار ہزار دانوں کی تسبیح پر سبحان اللہ کہنے یا کوتر سو نوافل پڑھنے سے نہ تو بنی نوعِ انسان کی بگڑی بنے گی۔ اور نہ ہی اس سے ہماری ذات کی تعمیر ہی ہو سکے گی۔ زبانی کلامی ذکر افکار سے کام تو کیا بنے گا۔ اُلٹا پہلے مقام سے بھی نیچے گر جائیں گے۔ یہ جائے عمل ہے۔ یہاں ؏

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لیکن مذہب کہتا ہے کہ جنّت خدا کے فضل و کرم سے ملتی ہے۔ محض عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر اس کے لیئے جدّ و جہد کی ضرورت بھی ہے تو صوم و صلوٰۃ اور مراقبات سے پوری ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس دین کہتا ہے کہ تسبیح و مناجات اور ذکر و درود کی محفلیں کبھی بھی مجاہدانہ صفات پیدا نہیں کر سکتیں۔ یہ فریبِ نفس ہے اور اللہ تعالےٰ ہماری نیتوں کو جانتا ہے ہماری ذلت و پستی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم جان و مال کا سودا بھلا کر صرف رسمی صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو گئے ہیں۔ اقبالؒ

کے شہباز اور مولے کی نسل میں وہی فرق ہے جو میدانِ جنگ کے مجاہد اور مراقبے کے صوفی کے درمیان ہوتا ہے۔ مُفت کی روٹیوں اور دوسروں کی کمائی پر پلنے والا مولوی چیتے کے جگر شاہین کی جھپٹ سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔ جس نے نہ کبھی ہاتھ پاؤں ہلائے ہوں اور نہ دماغ سے کام لیا ہو اس کے لئے کیا یہی بہتر نہیں ہے کہ:

ع نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

اور بدقسمتی ہماری، جو ہم مذہب کے اس نمائندے کی تعلیم کو متبرک سمجھ بیٹھے ہیں۔ دوستو! جب تک ہم مذہب کے چنگل سے نکل کر دین کی بیعت نہیں کرتے اور مولوی کے وعظ اور خطبوں کی بجائے قرآن کا دامن نہیں تھامتے ہماری بربادیوں کا یہی عالم رہے گا۔ آؤ خوش فہمیوں یا غلط فہمیوں کو ترک کر کے حقائق کا سامنا کریں اور دنیا کے نقشے پر نظر ڈال کر پتہ کریں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اقوامِ عالم میں ہماری کیا حیثیت ہے۔ دنیا کے فیصلوں کی ڈیٹو پاور کس کے ہاتھ میں ہے۔

رُوس، لبنان، فلسطین، فلپائن، انڈیا اور کشمیر میں مسلمانوں کا کیوں قتلِ عام ہو رہا ہے۔ ظالم کی تلوار کیا محض احتجاج سے رُک سکتی ہے۔ خدا نے تو ہمیں اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی نوید سنائی تھی اور یہ بھی کہ مومن ہونے کی صورت میں تم ہی غالب آؤ گے۔ اگر ان تمام سوالات کا جواب قرآن کی بارگاہ سے پوچھیں گے تو صحیح جواب کے ساتھ ساتھ ہماری آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔ مولوی کو چھوڑیئے جو اس ہولناک انجام کے باوجود بھی اُلٹی گنگا کا قائل ہے۔ اور اب بھی جنّت اپنے لئے مخصوص سمجھے بیٹھا ہے۔ میں نے ایک مسجد کے خطیب سے پوچھا کہ خدا فرماتا ہے کہ جب ہم مومنین کو حکومت عطا کرتے ہیں تو وہ دنیا میں نظامِ صلوٰۃ اور زکوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ ان دونوں اصطلاحات کو حکومت کے ساتھ کیوں مشروط کرتا ہے۔ تو مولوی صاحب فرمانے لگے کہ آپ کو پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ اصل فرمان یہ ہے کہ جب مومنین نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں تو اس کے عوض اللہ تعالےٰ انہیں حکومت عطا کرتا ہے۔ یہ سُن کر مجھے علامہ صاحب کا یہ شعر یاد آگیا کہ ع

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

بات مولوی صاحب کی مخصوص جنّت کی ہو رہی ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک جنّت یا دوزخ انسان کے اعمال کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ خدا کی صفتِ بے نیازی کے طور پر مل جاتے ہیں۔ جہاں قاعدے یا قانون کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ گویا یہاں آکر ان کا پیش کردہ خدا کا تصوّر بھی بدل جاتا ہے۔ ایک

مغربی مفکر کا قول ہے کہ:

"اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی قوم کا اپنے خدا کے متعلق کیا تصور ہے تو میں آسانی سے اس قوم کے معاشرتی تہذیبی اور اخلاقی حالات بتا سکتا ہوں۔"

بات سو فیصد درست معلوم ہوتی ہے۔ جتنا خدا کا تصور ہم نے بگاڑا ہے۔ اسی حد تک ہماری حالت بھی دگرگوں ہو چکی ہے۔ جتنا زیادہ جُرم اتنا زیادہ عذاب۔ جب ہم خدا کے متعلق بات کرتے ہیں تو وہ خدا کے متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس تصور کے متعلق ہوتی ہے جو ہم خدا کے متعلق ذہن میں رکھتے ہیں۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہم نے بھی خدا کو انسانوں کی سطح پر لا کر رکھ دیا ہے۔ قرآن کے تصور کو چھوڑ کر مذہب کو پرستش کا دور دے دیا ہے۔ یعنی انسان خدا کے حضور جھکے۔ گڑگڑائے۔ سجدے کرے اور غضب سے بچنے کے لئے اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ اس تک پہنچنے کیلئے وسیلے اور سفارشیں تلاش کرے۔ غرضیکہ خدا کو ایک مطلق العنان حکمران سمجھے جس کے ہاں کوئی قانون نہیں ہوتا۔ مرضی کا مالک خدا چاہے تو بُرے کاموں کا انعام دے دے اور اگر وہ ناراض موڈ میں ہو تو اچھے کاموں کی سزا دے دے۔ مذہب کہتا ہے کہ اس نے اپنا کام چلانے کیلئے بہت سے نائب اور وزیر مقرر کر رکھے ہیں۔ اور ان میں بعض تو ایسے ہیں جنہیں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ خدا ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کے مُنہ سے نکلی بات خدا کبھی رَد نہیں کرتا۔ روایات سے پوچھو تو ساتویں آسمان کے اوپر سمندر۔ پھر سات پہاڑی بکرے۔ ان کی پُشت پر خدا کا عرش اور یہ بھی کہ اگر تم میں سے کوئی رسی زمین کے اسفل ترین طبقہ میں لٹکائے تو وہ ٹھیک اللہ کے اوپر جا گرے گی۔ خدا کے متعلق مذہب کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اس نے ہر بات، ہر وقوعہ جو ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا قیامت تک ہونے والا ہے۔ شروع سے ہی لکھ رکھا ہے اور وہ ہر صورت میں اسی طرح ہی وقوع پذیر ہوگا۔ اسے خدا کی تقدیر کہا جاتا ہے اور یہ کسی صورت میں بھی ٹل نہیں سکتی۔

اب سوچئے! لیکن معاف رکھنا اس عقیدہ پر سوچنے یا بحث کرنے کی بھی گنجائش نہیں۔ بہرحال وقتی طور پر ہی سہی۔ اگر ہر واقعہ کو خدا کے لکھے کے مطابق ہو کر رہنا ہے۔ تو پھر پہلی بات تو یہ ہوئی کہ انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے محروم ہوگیا، دوسرا یہ کہ مکافاتِ عمل کا سارا قانون منسوخ ہوگیا۔ انسان اپنے کئے کرائے پر سے خود بخود بَری ہوگیا۔ دوزخ و جنّت کا تصور باقی نہ رہا۔ غرضیکہ سارے قرآن اور دین کی نفی ہوگئی۔ لیکن ہوتی ہے تو ہوتی ہے۔ مُلّا نے تو تقدیر کو ہمارے دین کا چھٹا حصّہ بنا دیا ہے۔ جی ہاں چھٹا جُز جسے نہ ماننے سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ وہ تقدیر کیا چیز ہے۔ معاف کرنا میری زبان سے سہواً مُلّا کا لفظ نکل گیا۔ ایسا نہیں جناب سید سلیمان ندوی مرحوم، جو مذہب کی دنیا میں روشنی کا مینار ہیں۔

سیرت النبی جلد چہارم و ششم کے صفحہ ۸۶۰ اور ۸۶۴ پر تحریر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں! :

"۱ اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں تقدیر کا ذکر کہیں نہیں آیا مگر اس کا اعادہ قرآن میں بار بار اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اس کی مقتضی ہے کہ اس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دی جائے۔ چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دی گئی۔

۲ خدا۔ فرشتے۔ رسول۔ کتاب۔ یوم آخر۔ اور قدر ایمان کی حقیقت کی چھ شاخیں ہیں۔

اوپر شق نمبر ۱ میں جو تحریر کیا گیا ہے کہ تقدیر کا اعادہ قرآن میں بار بار ہوا ہے اس کی مثال دیتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :

۳ وحی محمدی نے اس اصطلاح میں دو لفظ اختیار کئے ہیں۔ ایک قدر دوسرا قضا

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ

ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ

وہی جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا۔

حاضرین! مذہب کا قرآن پر عبور ملاحظہ فرمائیں اور قرآنی حوالہ پر تقدیر کے متعلق میرے ساتھ آپ بھی غور فرمائیں! میں نے تو ترجمہ بھی مصنف سیرت النبی کا ہی تحریر کر دیا ہے۔ کم از کم میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا ہے۔ کہ اس سے مروجہ تقدیر کی اصطلاح کیسے ثابت ہو گئی۔ آگے چل کر شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :

۴ موت و حیات۔ کامیابی اور ناکامی۔ تکلیف و راحت ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی یعنی تقدیر کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

۵ بہر حال وحی و رسالت کی عجیب مصلحت یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی۔ اسی شدت سے اس میں بحث و مناقشہ سے منع فرمایا (بحوالہ مشکوٰۃ باب الایمان) اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے کہ کلی چٹکی کہ اس کی خوشبو اڑ گئی۔

۶ تقدیر کا عقیدہ غم کا چارہ کار ہے جو کچھ ہوا خدا کے حکم اور مصلحت سے ہوا۔ یہ اسلام کی حکیمانہ تعلیم ہے۔ اور اس تعلیم کا فائدہ بھی قرآن نے بتا دیا کہ

..... لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (۵۷/۲۳)

تاکہ تمہارے ہاتھ سے جو جاتا رہے تم اس پر غم نہ کرو"

حاضرینِ محترم! اسلام کی حکیمانہ تعلیم کا نمونہ آپ نے دیکھ لیا۔ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ تقدیر کے جواز اور ثبوت میں جتنے قرآنی حوالے سیرۃ النبیؐ میں دیئے گئے ہیں. کسی ایک کا اشارہ تک بھی اس مروجہ تقدیر کی طرف نہیں جاتا. جس کے لئے سیرت النبی جیسی کتاب میں ایک پورا باب مخصوص کرنے کی ضرورت پڑ گئی. آخر یہ مسئلہ تقدیر کیسے ہمارے ایمان میں داخل ہوگیا. یہ سوچنے کی بات ہے. خیال ہے کہ تحریف شدہ مذہبی کتابوں سے ہماری پیشوائیت نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے۔ اسی کے مطابق روایات وضع ہوگئیں اور پھر قرآنی آیات کو بھی اسی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی. اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی باب میں نولپور کے حوالے سے مصنف سیرۃ النبی، تحریر کرتے ہیں کہ:

"اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی۔"

مجھے اس تفصیل کے لئے معاف فرمائیں۔ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان خلافِ قرآن اور خود ساختہ عقائد کی نشاندہی ہو جائے جو نہ صرف قوم کو فکر وعمل سے محروم کر دیتے ہیں۔ بلکہ دین کی ساری کی ساری عمارت بھی دھڑام سے نیچے گر پڑتی ہے۔ ایسے عقائد ملوکیت اور سرمایہ داری کے لئے جواز کی سند عطا کرتے ہیں. یعنی بقول مذہبی پیشوائیت' انسان کو راضی برضا رہنا چاہیئے. حاکموں اور سرمایہ داروں کو اس دنیا میں مل رہا ہے. تمہیں آخرت میں جنت عطا ہوگی. حکومت اور دولت خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ جسے چاہے امیر بنا دے جسے چاہے فقیر کر دے. خدا کی مرضی کے خلاف احساسِ شکایت بہت بڑا گناہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور جب کوئی میرے جیسا گنہگار قرآن کی بات کہہ دے تو فوراً اسلاف کا نافرمان اور روایات کا منکر بن جاتا ہے. گویا آج کا مُلا سب سے زیادہ الرجک قرآن سے ہے۔ لیکن پھر بھی کھاتا پیتا قرآن کا ہی ہے۔ اعجاز القرآن۔ انوار القرآن. منہاج القرآن اور اسرار القرآن کے نام پر ایکڑوں کے حساب سے پلاٹ اور لاکھوں روپے کی گورنمنٹ گرانٹ کا ڈکار تک نہیں لیتا۔ آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ادارے قرآن کی تعلیم کے لئے ہیں، بلکہ یہاں صرف نام قرآن کا ہے۔ اصل تعلیم فقہ حدیث اور تصوف وغیرہ کی ہی دی جاتی ہے۔

ذہن میں سوال اُبھر سکتا ہے کہ آخر قوم کو اس نظامِ حیات سے دُور رکھنے میں مولوی کی کیا مصلحت ہے۔ تو سُن لیں! کہتے ہیں کہ ایک شہرہ آفاق مفکر نے بنی نوعِ انسان کی خوشحالی اور امن وسلامتی کیلئے ایک سکیم تیار کی. لیکن عملی طور پر اس سکیم کو رائج کرنے کیلئے (پاکستان کی طرح) ایک علاقے کی ضرورت تھی. آخر تلاشِ بسیار کے بعد ایک مملکت کے حکمران نے اس سکیم کے نفاذ کے لئے اپنی مملکت پیش کر دی. مفکر بھی رضامند ہوگیا. مدت گزر گئی سکیم نافذ نہ ہو سکی. جب بھی حکمران مفکر کو بلاتا اور دریافت

کہ آپ کی سکیم ابھی نافذ ہوئی ہے یا نہیں تو منظر کہہ دیتا کہ ایک رکاوٹ ہے۔ آخر بار بار کے اس کے ایک جواب سے تنگ آکر حکمران نے اس سے کہا کہ وہ رکاوٹ بتاؤ۔ میں ابھی دُور کئے دیتا ہوں لیکن اپنی سکیم فوری طور پر میری مملکت میں نافذ کردو۔ لیکن پھر بھی نہ رکاوٹ کا پتہ چلا اور نہ ہی سکیم نافذ ہوئی۔ تنگ آکر حکمران نے اسے گرفتار کرلیا اور کہا کہ جب تک رکاوٹ نہیں بتاؤ گے قید سے رہائی نہیں ملے گی۔ کافی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے بتایا کہ جناب اگر جان کی امان پاؤں تو..... وہ رکاوٹ صرف آپ کی ذات ہے۔

مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے قرآن کے نفاذ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ مولوی کی ذات ہے اور ہمیں قرآن سے دُور رکھنے میں اس کی یہی مصلحت ہے۔ اس کے لئے وہ ہر حربے سے کام لیتا ہے مثلاً اس نے جگہ جگہ اصل دین کے ہمزاد بنا رکھے ہیں۔ ہر لوگس اور باطل عقیدے کو اسلام بنا کر پیش کر دیتا ہے دین کے مقابلہ میں مشکوک اور خود ساختہ ضوابط میں چمک اور تقدیس پیدا کر دی گئی ہے۔ حقیقت کو خرافات کے جھرمٹ میں چھپا دیا گیا ہے۔ موتی کو مٹی کے ڈھیر میں گم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دین پر مذہب کا خول چڑھا دیا ہے۔ یہ ہیں مولوی صاحب کے چیدہ چیدہ اور اہم محاذ، جہاں ہم نے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ دوستو! مرثیہ خوانی بہت ہو چکی۔ قرآن کا پرچم تھام کر آگے بڑھو! قوم کی نبض بتا رہی ہے کہ: ع

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!

سرسیدؒ۔ علامہ اقبالؒ اور مفکرِ اسلام علامہ غلام احمد پرویزؒ سب نے اس وقت اسلام کا نام لیا۔ جب بادِ مخالف کا زور تھا۔ لیکن کفر کے فتووں کی بوچھاڑ بھی قوم کے ان سپوتوں کے عزم کو ڈانواں ڈول نہ کر سکی۔

دوستو عزیزو! دین کا انقلابی پروگرام یکسر مجاہدانہ زندگی کا متقاضی ہے۔ آؤ خدا کے پیغام اور پیغمبرؐ کے اسوۂ حسنہ کو گھر گھر پہنچانے کا عزم کریں۔ انشاء اللہ دنیا، اسلام کی اس عالمگیر دعوت پر لبیک کہے گی۔

حالات ہر چند ناموافق ہیں لیکن اس کے باوجود مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ زمانہ کروٹ بدل رہا ہے۔ شاہی نظام اور جاگیرداری سسٹم دم توڑ رہا ہے۔ سوشلزم اپنے ہاتھوں رُو بزوال ہے۔ اور یہ لمبی چوڑی دنیا سکڑ کر غیر محسوس طور پر قرآن کی طرف آرہی ہے۔ گرم لوہے کو ضربِ مومن کی ضرورت ہے۔ قانونِ خداوندی کو اگر مومنین کی رفاقت میسر آجائے تو صدیوں کے کام دنوں میں ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے!

حکیم محمد مسیح الدین صدیقی

نبیوں کی دُعائیں

حضرت ابراہیمؑ بوڑھے ہو گئے مگر کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے باری تعالیٰ سے عرض کیا۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (صافات: ۱۰۰) "اے میرے نشوونما دینے والے مجھے صالح اولاد عطا فرما۔" دعا قبول ہوئی اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ جیسے دو عظیم المرتبت صالح بیٹے ضعیف العمری میں عطا کئے گئے۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ان ربی لسمیع الدعآء (ابراہیم: ۳۹) "حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب دعائیں سننے والا ہے۔"

لیکن واضح رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کے خلاف نہیں ملے تھے۔ یہاں اس نقص کا ذکر نہیں کیا گیا جو آپ کے یہاں اولاد پیدا ہونے میں مانع تھا جب کہ حضرت ذکریاؑ کے ذکر میں اس نقص کا بھی تذکرہ فرما دیا گیا جو اولاد کی راہ میں حائل تھا۔ حضرت ذکریاؑ کا ذکر قرآن میں اس طرح مذکور ہے کہ آپ بوڑھے ہو گئے مگر بیٹا کوئی نہیں۔ آپ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی۔ ربِّ انی وھن العظم منی واشتعل الرأس شیباً ولم اکن بدعائک رب شقیا وانی خفت الموالی من ورآءی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیاً (مریم، ۴/۵) "اے میرے پالنے والے! بیشک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی بدولت شعلہ مار چکا ہے۔ میں تیرے حضور دعا کر کے کبھی محروم نہیں ہوا اور میں اپنے بعد اپنے جانشین کے لئے فکرمند ہوں مگر حالت یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے۔ پس تو اپنی جناب سے میرا وارث عطا فرما۔"

اس کے بعد دعا قبول ہوئی اور آپ کو حضرت یحییٰؑ عطا فرمائے گئے۔ مگر کس طرح؟ کیا اللہ کے قانون جاریہ (قدرت) کے خلاف؟ — نہیں۔ بلکہ سورۂ انبیاء میں واضح فرما دیا کہ "اور ذکریا کا وہ وقت قابلِ ذکر ہے جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ — تو بہتر وارث عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اس طرح یحییٰ عطا فرمایا کہ اس کے لئے اس کی بیوی کی اصلاح کر دی۔" (انبیاء: ۸۸/۸۹)۔

اَصْلَحْنَا لَہٗ زَوْجَہٗ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اولاد پیدا ہونے کی راہ میں جو نقص ان کی بیوی میں تھا، اللہ نے اپنے قانون کے مطابق اس کی اصلاح فرما دی اور پھر قانونِ جاریہ کے مطابق ہی حضرت یحییٰ پیدا ہوتے۔ لیکن مذکورہ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں فریقین میں سے جس فردِ محترم میں کوئی نقص تھا اسے محذوف رکھا۔ لیکن ان کے یہاں بھی لڑکے اللہ کے قانونِ قدرت کے مطابق ہی ہوئے تھے۔

حضرت یونسؑ نے اس وقت دعا فرمائی جب آپ دریا میں گر گئے اور مچھلی نے آپ کو لقمہ بنانا چاہا۔ آپ انتہائی تیزی کے ساتھ تیر کر اس کی زد سے آزاد ہوتے اور دعا فرمائی، فنادٰی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الّآ انتَ سبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین۔ فاستجبنا لہٗ ونجینٰہ من الغمِ وکذالک ننجی المؤمنین (انبیاء: ۸۷، ۸۸) "پس مچھلی والے حضرت یونس نے مشکلات میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ تو ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے۔ بیشک میں مشکلات میں گھر جانے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح انہیں نجات دیتے ہیں جو (ہمارے قوانین پر) ایمان لانے والے ہیں۔"

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یونسؑ مصائب میں گھر کر ان سے آزاد ہونے کی جدوجہد فرما رہے تھے اور اس طرح حضورِ الٰہی میں دعا کر رہے تھے۔ چنانچہ سورہ صٰفّٰت میں تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے کہ "اگر وہ تیراکوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک پانی کے پیٹ میں رہتے۔" (صٰفّٰت: ۱۴۳)۔

واضح رہے کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک موجود رہنے والا نہیں تھا جبکہ سمندر کا پیٹ قیامت تک موجود رہنے والا ہے۔ غرض یہ کہ حضرت یونسؑ نے مشکل وقت میں ٹھیک اللہ کے قانون کے مطابق جدوجہد اور سعی و عمل کے ساتھ اللہ سے دُعا فرمائی جو مستجاب ہوتی ———— حضرت نوحؑ نے قوم کو دن رات تبلیغ فرمائی مگر وہ الٹے آپ کے مخالف ہوگئے۔ جب یہ مخالفت انتہا پر پہنچ گئی تو آپ نے دعا فرمائی: ربِ انی مغلوبٌ فانتصر (قمر: ۱۰) "اے میرے پروردگار! میں (قوم کے ہاتھوں) مغلوب ہو گیا ہوں پس میری مدد فرما۔" دعا منظور ہوئی لیکن حکم ہوا کہ آپ پہلے کشتی بنائیں۔ کیونکہ طوفانِ عظیم سے نجات کشتی ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہی قانونِ قدرت ہے۔ جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوں گے وہی محفوظ رہیں گے اور جن کا بھروسہ غیر اللہ پر یعنی غیر خداوندی و غیر قدرتی محافظت کے طریقوں پر ہوگا یقیناً وہ غرقاب ہو کر رہیں گے ———— حضور اکرمؐ کی قوم نے اس قدر مخالفت کی کہ آپ کو اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے نکلنا پڑا۔ آپ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچ گئے۔ لیکن اس اساس پر کہ زندہ قوم وہ ہوتی ہے جو دشمنوں کا جواب دے سکے اور جس جگہ سے اس نے نکالا ہے اسے پھر حاصل کر لینے کی اہلیت و صلاحیت کی حامل ہو۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر نبی اکرمؐ مسلسل سعی و عمل کے ذریعہ حضورِ الٰہی میں خاموش دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ بارگاہِ خداوندی سے جواب ملا۔ قد نری تقلب وجھک فی السمآءِ فلنولینّک قبلۃً ترضٰھا (بقرہ: ۱۴۴) "اے رسول! بیشک ہم نے آپ کے

چہرے کو ملتجیانہ انداز سے (بیت الحرام کی بازیابی کے لئے) آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ لیا ہے. پس ہم ضرور آپ کو اس عالمی مرکز کا متولی بنادیں گے جس سے آپ محبت کرتے ہیں."

اس طرح آپ کی خاموش دعائیں منظور ہوئیں اور خوشخبری دے دی گئی کہ آپ کو کعبہ کی تولیت ضرور عطا کی جائے گی لیکن ساتھ ہی حکم دے دیا گیا کہ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم (انفال : ۶۰) "اور تم دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت بھی تیار کرتے رہو اور قطار در قطار تیز رفتار گھوڑے بھی، تاکہ تم اس قوت کے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے اور لرزاتے رہو."

چنانچہ جب اس حکم کی تعمیل کے ساتھ آپؐ بیت اللہ کی بازیابی کے لئے نکلے تو دشمنوں نے بلا جنگ و جدال بیت الحرام کی چابیاں آپؐ کے آگے ڈال دیں اور اپنی شکست تسلیم کر لی. ملاحظہ فرمالیں کہ یہاں بھی دعا کی قبولیت، اس خداوندی قوانین کے مطابق سعی و جدوجہد کے ساتھ مشروط ہے جو حصولِ مدعا کے ان کائناتی قوانین کے مطابق ہو جو خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں. جیسے حضرت نوحؑ کا کشتی کے ذریعہ طوفانِ عظیم سے بچنا. حضرات ابراہیمؑ و زکریاؑ کی طلبِ اولاد کے ضمن میں فریقین کے موانعات کا ازروئے قوانین دور کرنا اور حضرت یونسؑ کا تیراکی کے ذریعہ مچھلی سے بچنا.

دعا کے متعلق عام دستور یہ ہے کہ فوری دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور مطلب کی ساری چیزیں صرف زبانی طور پر مانگنی شروع کر دیں. دوسروں کے معاملات میں بھی یہی زبانی دعائیں کافی خیال کی جاتی ہیں. جیسے کوئی بیمار ہوا تو کہہ دیا کہ اللہ اسے شفا دے. کاروبار بند ہو گیا، تو زبان ہلا دی کہ اللہ اس کا کاروبار چلا دے. کوئی پریشان ہے تو بھی کہہ دیا کہ اللہ اس کی پریشانی دُور کر دے اور بس! خود بری الذمہ، اب سارا کام خود خدا نپٹائے. یاد رکھئے کہ جب تک حصولِ مقصد کی عملی اور حقیقی کوشش نہ کی جائے، تب تک قبولیتِ دعا کی امید عبث ہے اور اللہ کہتا ہے کہ یہ عملی کوشش و کاوش خالص خدائی احکامات و قوانین کے تحت ہونی چاہیئے. غیر خداوندی طور طریقوں اور کاوشوں سے خوشگوار اور بہتر نتیجہ ہرگز برآمد نہیں ہو سکتا.

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویزؒ

باہمی مشورہ

۴

قرآنِ کریم نے مسلمانوں کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸)

"وہ اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں"۔

مشورہ کرنا

یعنی قرآن کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس کے متعلق پوری پوری واقفیت حاصل کرو۔ (لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (۱۷/۳۶)

"جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگا کرو)"۔ پھر، اس کی بابت فیصلہ کرنے سے پہلے واقف کار لوگوں سے مشورہ کرو تاکہ اس کے مختلف پہلو سامنے آ جائیں۔ لیکن یہ مشورہ اثم اور عدوان کے لئے نہیں ہونا چاہیئے۔

فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ... (۵۸/۹)

تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (۵۸/۹)

بلکہ برّ اور تقویٰ کے لئے ہونا چاہیئے۔

اچھے کاموں میں

اثم اور عدوان اور برّ اور تقویٰ کے معنی پچھلے عنوان میں بتائے جا چکے ہیں۔ یعنی مشورہ ایسی باتوں میں ہونا چاہیئے جو قرآنِ مجید کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق عام انسانوں کی بھلائی کے لئے ہوں۔

میل جول

یہ ظاہر ہے کہ انسان مشورہ کرنے کے قابل اُسی وقت ہو سکتا ہے جب دوسروں سے میل جول رکھے اس لئے کہا گیا ہے کہ

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ.....○ (۳۱/۱۸)

"لوگوں سے ترش روئی مت برتو۔"

ان سے میل جول رکھو، لیکن میل جول ایسے لوگوں سے رکھنا چاہیئے جو شریف بھی ہوں اور، علم اور عقل بھی رکھتے ہوں، جو خدا کے احکام کے مطابق چلتے ہوں، جو اچھی رائے رکھیں اور عمدہ مشورہ دیں۔

تحقیق

تحقیق تو جانِ دانش ہے تحقیق سے کیوں گھبراتا ہے
تحقیق کا طالب دنیا میں قدرت کے خزانے پاتا ہے

تحقیق کے ذہنِ روشن میں تصویرِ حقیقت ہوتی ہے
نقصان سے انساں بچتا ہے ایماں کی حفاظت ہوتی ہے

تحقیق سے آنکھیں کھلتی ہیں تحقیق سے راہیں ملتی ہیں
اسرار کے پردے اٹھتے ہیں جلووں سے نگاہیں ملتی ہیں

تحقیق کی روشن دنیا میں ہر سمت چراغاں ہوتا ہے
تقلید کی اندھی دنیا میں ظلمت کا بیاباں ہوتا ہے

تحقیق جب آگے بڑھتی ہے تو عرش کے تارے ہوتی ہے
تقلید بھٹکتی رہتی ہے، ہر موڑ پہ ٹھوکر کھاتی ہے

اک عام بشر خوراک کی یا پوشاک کی باتیں کرتا ہے
جو شخص محقق ہوتا ہے افلاک کی باتیں کرتا ہے

تقلید تو مرگِ دانش ہے پرواز بشر کی کھوتی ہے
تقلید کی دنیا میں رمزی ذہنوں کی غلامی ہوتی ہے

علامہ ابو اسرار رمزی اٹاوی ——— بشکریہ 'حق و باطل'